اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

ترتیب

برائے ترسیلِ زر، اجراءِ رسالہ وخط وکتابت

مولانا احسن خدامی صاحب، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82

محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی۔ بہاولپور

مدیر مسئول: احسن خدامی 0320-4902150

مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

پیامِ صفدر مدیرِ اعلیٰ کے قلم سے

پھر بہار آئی......

زہے قسمت، مبارک نصیب کہ ماہِ مقدس، ماہِ عظیم رمضان المبارک معاصی ولغزشوں سے معمور اور اجڑے ہوئے گلشنِ ہستی کے لئے موسمِ بہار بن کر، رحمت ومغفرت خداوندی کی طلب میں بلکتے لبوں کے لئے ابرِ آبدار بن کر اور گناہوں کی کڑکتی دھوپ میں تڑپتی حیات کے لئے شجرِ سایہ دار بن کر آ گیا، وہ کون سا بے پروا مسلمان ہے؟ جو گیارہ ماہ اس کی راہ نہ تکتا ہو کہ یہ رحمتِ باری تعالیٰ کے خزانے بکھیرتا ہے، امتِ مسلمہ کا وہ کونسا گناہ گار فرد ہے؟ جس کی نگاہِ امید اس کے راستہ پر نہ لگی ہو کہ یہ رحیم وکریم ذات کی طرف سے عفو ودرگزر کے دریا بہاتا ہے، نفس وشیطان کی پُرفریب اور تباہ کن جالوں میں پھنسا ہوا ملتِ اسلامیہ کا وہ کونسا شخص ہے؟ جو اس کی ایک گھڑی بھی پالینے کو دنیا ومافیہا کے حصول پر فوقیت نہ دیتا ہو اور اس کے لئے سال بھر بے تاب نہ رہتا ہو کہ اس میں سرکش شیاطین کو جکڑ کر آخرت سنوارنے اور درجات کی بلندی کے بے شمار مواقع فراہم کئے جاتے ہیں، اپنی دعائے نیم شبی میں گڑ گڑا کر قربِ باری تعالیٰ چاہنے والا اس کی آمد کے لئے کیوں نہ تڑپے؟ کہ اس کی ہر ہر ساعت توجہ خداوند کا مرکز ہے، ترقی درجات کے لیے شب وروز سعیِ پیہم اور انتھک جدوجہد کرنے والا کیوں نہ اس ماہ کے راستے پر نظر ٹکائے کہ اس میں طالبِ خیر کو قدم بڑھانے کے لئے آرڈر خود بارگاہِ ایزدی سے جاری ہوتے ہیں۔

یہ وہ مقدس اور مبارک ماہ ہے جو اپنے ساتھ رحمتِ الٰہی کے خزانے لاتا ہے، مغفرت خداوندی کے دریا بہاتا ہے، جہنم وعذاب سے نجات پانے کے زریں مواقع فراہم کرتا ہے، حصولِ قربِ باری تعالیٰ کے لئے خوشگوار زمانے لاتا ہے، گناہوں کی غلاظت سے آلودہ زندگی کو پاک وصاف حیات میں بدلنے کا انقلاب آفرین دور لاتا ہے، جس کا ایک ایک لمحہ رحمتِ خداوندی سے معمور، ایک ایک لحظہ عطاءِ الٰہی سے سرشار، ہر ہر آن توجہِ باری تعالیٰ کا مرکز، ہر ہر ساعت انوارات سے بھرپور، ہر ہر گھڑی میں طلبِ معافی کے بے شمار مواقع، جس کا روزہ اسلام کے عناصرِ اربعہ میں سے ایک عنصر ہے، اسلام کے بنیادی ستونوں اور ارکان میں سے ایک ستون ہے، جس کی تاثیر، خصوصیات اور مقصد اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا پیدا ہونا بیان فرمایا، جس کا موضوع یہی ہے کہ انسان کو اللہ کے احکام کی پابندی کا خوگر بنایا جائے، جو نفس کی خواہشات اور شہوت کے تقاضوں کو دبانے کی عادت ڈالنے کا ذریعہ ہے، جس ماہ میں رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے مقفل

ہوجاتے ہیں، شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں، جس کی ہر رات میں منادی خیر کے طالب کو قدم بڑھانے کی ندا کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے جس کو عظمت کا مہینہ اور مبارک ماہ سے یاد فرمایا ہے، جس میں واقع لیلۃ القدر کی عبادت ہزار مہینے کی عبادت پر فوقیت رکھتی ہے، جس میں نفل کا ثواب فرض کے مساوی ہے اور فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے صبر، غمخواری کا مہینہ قرار دیا ہے، جس میں مؤمن کے رزق بڑھ جانے کا مژدہ سنایا، کسی روزہ دار کو افطاری کروانے پر مغفرتِ ذنوب کی نوید سنائی اور افطار کے وقت کسی کو سیر کر دینے پر حوض کوثر سے سیرابی کی خوشخبری سنائی، جس مہینہ کا پہلا عشرہ رحمت، دوسری دہائی مغفرت اور آخری دس روز میں جہنم سے آزادی کا سامان ہے، جس میں روزہ کا عوض دیدارِ خداوندی ہے، جس میں صائم کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بڑھ کر ہے، جس کا روزہ جہنم سے ڈھال ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے نفع رسانی میں بے مثال قرار دیا ہے، دن میں روزہ رکھنا، رات کو تراویح ادا کرنا اور لیلۃ القدر میں قیام کرنا پیش کردہ گناہوں کا کفارہ ہے، جس مہینے کے ایک روزہ سے محرومی ہو تو عمر بھر کے روزوں سے بھی تلافی ناممکن ہے، لیلۃ القدر میں کھڑے، بیٹھے ذکر کرنے والوں کے لئے ملائکہ دعائے رحمت کرتے ہیں۔

غرض رمضان المبارک کی ایک ایک ساعت نے اپنے اندر رحمتوں، برکتوں کے سمندر سمیٹے ہوئے ہیں اور جو ٹھاٹھیں مارتے سمندرِ رحمت و مغفرت سے بھی مستفید نہ ہوسکا اور مغفرت نہ کرا سکا اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے بربادی کی دعا فرمائی۔

ایسے حالات میں جب کہ خدا تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں ہو، ہر نفس کو اس سے سیراب ہونا چاہیئے، اس نادر و نایاب موقع سے حصول نفع کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونا چاہیئے، اپنی لامحدود معاصی کے باعث جس غفور الرحیم ذات سے ہم کوسوں دور ہوچکے ہیں اس کے قرب سکوں آفرین کی جانگداز سعی پیہم ہماری فطرت ثانیہ ہوجانی چاہیئے، صرف اپنی ہی فکر نہیں بلکہ ہر راہ گم کردہ کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کا جذبہ ہماری رگ رگ میں موجزن ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائیں (آمین)

آخر میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی زریں نصائح ملاحظہ ہوں:

''رمضان المبارک کی گراں قدر گھڑیوں اور فیوضات سے دن رات مستفید ہوتے رہیں، اپنی دنیاوی مشاغل کو کم سے کم کرتے رہیں، جس قدر ہوسکے نوافل کا اہتمام کریں، تلاوتِ قرآن مجید اور ذکر و تسبیح کے معمولات میں اضافہ کریں، گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کریں، کوئی گناہ غلطی سے سرزد ہوجائے تو اس پر فوراً توبہ و استغفار کریں، اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں، آخرت کی فکر پیدا کریں، صدقہ و خیرات اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے، غریبوں و مسکینوں کی خبر گیری کا اہتمام کریں، مستند دینی کتابوں کے مطالعہ کا معمول بنائیں، اگر یہ مہینہ ایسے گزار لیا تو اصلاحِ نفس کی راہ آسان ہوجائے گی اور اسلامی زندگی کے قریب تر ہوجائیں گے۔ (ان شاء اللہ)''

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ

نماز جنازہ کے بعد دعا

کسی مسلمان کی وفات کے بعد اس کے عزیز وا قارب اور دوست احباب اس کو جو بہترین تحفہ بھیج سکتے ہیں اور اس کے ساتھ جو حسن سلوک کر سکتے ہیں وہ اس کے حق میں دعا کرنا ہے۔ انفرادی طور پر جس وقت بھی کوئی چاہے اس کی وفات کے بعد اس کے لیے دعا کرے اس میں کوئی قباحت نہیں اور نصوص شرعیہ سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ لیکن بصورت اجتماع میت کے لیے دعا کرنے کا ثبوت صرف نماز جنازہ کی صورت اور قبر پر تلقین شرعی کی شکل میں ہے۔ اس کے علاوہ جہاں شریعت نے اجتماعی صورت میں دعا کا طریقہ نہیں بتایا وہ درست نہیں۔ آنحضرت ﷺ، حضرت صحابہ کرامؓ، تابعین اور اتباع تابعین رحمہم اللہ نے ایک دو نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں جنازے پڑھے اور پڑھائے۔ مگر کسی سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد فوراً اجتماعی حالت میں دعا مانگی ہو، یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہائے احناف کثر اللہ سوادھم نے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے سے منع کیا ہے اور اس کو مکروہ کہا ہے۔

(۱) چنانچہ امام ابوبکر بن حامد الحنفیؒ (المتوفی ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

''ان الدعا بعد صلوٰة الجنازہ مکروہ'' (محیط باب الجنائز) (ترجمہ) نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔

(۲) شمس الائمہ حلوانی (المتوفی ۴۵۶ھ) اور بخارا کے قاضی شیخ الاسلام علامہ سغدی (المتوفی ۴۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

''لا یقوم الرجل بالدعا بعد صلوٰة الجنازة'' (قنیہ ص ۵۶) (ترجمہ) نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے کوئی آدمی نہ ٹھہرے۔

(۳) امام طاہر بن احمد البخاری الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں:

لا یقوم بالدعا فی قراۃ القران لاجل المیت بعد صلوٰة الجنازہ و قبلھا (خلاصۃ الفتادی ص ۱۲۵) (ترجمہ) نماز جنازہ کے بعد اور اسی طرح اس سے قبل میت کے لیے قرآن پڑھ کر دعا نہ کی جائے۔

(۴) امام حافظ الدین محمد بن شہاب کردری الحنفیؒ (المتوفی ۸۲۷) فرماتے ہیں کہ:

''لا یقوم بالدعا بعد صلوٰة الجنازة لانہ دعا مرة'' (فتاوی بزازیہ ص ۲۸۳) (ترجمہ) نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھہرے کیونکہ اس نے ایک مرتبہ دعا کر لی ہے۔

(۵) علامہ سراج الدین اودی الحنفیؒ (المتوفی ۷۰۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

''اذا فرغ من الصلوٰة لا یقوم بالدعا'' (فتاوی سراجیہ ص ۲۳) (ترجمہ) جب نماز سے فارغ ہو جائے تو دعا کے لیے نہ ٹھہرے۔

(۶)امام شمس الدین محمد خراسانی الحنفیؒ (المتوفی ص۹۲۶ھ) لکھتے ہیں کہ:

''لا یقوم داعیاً له''(جامع الرموز ص۱۲۵)(ترجمہ)اور میت کے حق میں دعا کیلئے نہ ٹھہرے۔

(۷)اور علامہ ابو حنیفہ ثانی ابن نجیم الحنفیؒ (المتوفی ۹۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

''ولا یدعو بعد التسلیم''(بحرالرائق ص۱۸۳)(ترجمہ)سلام پھیر لینے کے بعد دعا نہ کرے۔

(۸)اور مفتی نصیر الدین الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:

''وبعد ایستادہ نماند برائے دعا''(فتاوی برہنہ ص۳۶)(ترجمہ)نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھہرے۔

(۹)حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ:

''ولا یدعو اللمیت بعد صلوٰۃ الجنازہ لانه یشبه الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ''(مرقات ص۲۱۹)

(ترجمہ)نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

(۱۰)اور فقہ کی مشہور کتاب ''مجموعہ خانی''میں ہے کہ:

''دعا نخواند وفتویٰ بریں قول است۔''یعنی دعا نہ کرے اور فتوی اس قول پر ہے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد حضرات فقہاء احناف نے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو منع کیا ہے۔حضرات فقہاء احناف کی یہ عبارتیں بھی ملاحظہ کریں اور رضا خانی مولوی محمد عمر اچھروی کا کمال بھی دیکھیں وہ لکھتے ہیں جو دعا سے روکے وہ تمام زمانے سے زیادہ احمق ہے(مقیاس حنفیت ص۵۳۷)اور اذا صلیتم علی المیت فأخلصوا له الدعاء سے دعا بعد الجنازہ ثابت کرنا نری جہالت اور دھوکہ دہی ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنازہ تو بغیر اخلاص کے پڑھ لو اور اس کے بعد اخلاص سے دعا مانگو، بلکہ اس سے مراد نماز کے اندر کی دعا ہے نہ کہ بعد والی۔ آپ ﷺ نے یہ واضح کر دیا کہ یہ اخلاص نماز جنازہ کے اندر ہی ہونا چاہیئے،آپ ایسی پرخلوص اور رقت آمیز الفاظ سے نماز پڑھاتے کہ زندہ صحابی یہ تمنا کرتے کاش یہ جنازہ میرا ہوتا۔(دیکھئے عوف بن مالک وغیرہ کی روایت مسلم ص۳۱۱)

ابن ماجہ میں یہ حدیث باب الدعا فی صلوٰۃ الجنازۃ کے تحت درج ہے اور اس باب کی پہلی حدیث یہی ہے، چونکہ اس حدیث میں صرف یہ ذکر ہے کہ خلوص سے دعا مانگو،لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کونسی دعا ہے،اس لیے اس کے بعد متصل دوسری حدیث جو ذکر کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: کان رسول اللہ ﷺ اذا صلی علی الجنازۃ یقول اللھم اغفر لحینا۔۔۔۔دوسری حدیث نے پہلی حدیث کی تشریح کر دی کہ جس دعا کو خلوص سے مانگنے کا ذکر آیا ہے وہ نماز کے اندر والی دعا ہے،اگر یہ مطلب مراد نہ لیا جائے تو حدیث اول کی ترجمۃ الباب سے مناسبت نہ رہے گی۔

اگر اس حدیث یا خیر القرون سے یہ دعا ثابت ہوتی تو یہ اکابرین امت اور شارحین حدیث ملا علی قاری وغیرہ اس کو خلاف مسنون اور مکروہ کہنے کی جرات ہرگز نہ کرتے۔(ماخوذ از:راہِ سنت)

☆......☆......☆......☆

مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی

سوئے حجاز

......چھٹی اور آخری قسط......

پندِ پیرِ دانا: شاہ فیصل مرحوم نے مدینہ منورہ میں اسلامک یونیورسٹی قائم کرنے کیلئے دنیا بھر کے برگزیدہ اور چیدہ چیدہ علماء کو مشاورت کے لیے بلایا، مدعوین میں مشہور مفکرِ اسلام عظیم اور سکالر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی بھی تھے۔ وہ پیرِ طریقت رہبرِ شریعت حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ومجاز تھے، انہوں نے جانے سے پہلے اپنے پیرومرشد سے دعائیں لینا ضروری سمجھا، وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدعا عرض کیا، حضرت نے سن کر فرمایا: شاہ فیصل سے کہو کہ مدینہ میں یونیورسٹی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں، (کیونکہ اس میں صرف غیر متعلقہ قسم کے لوگ پیدا ہوں گے) اگر وہ قوم کی اور ملت اسلام کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو سعودیہ میں اسلحہ ساز کارخانے بنائیں۔ جدید سے جدید اسلحہ تیار کریں، اپنی فوج کو مضبوط کریں تاکہ کسی بے ایمان کو ان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہ ہوسکے۔ حضرت مولانا نے شاید شاہ فیصل کو یہ مشورہ دیا تو ہوگا۔ مگر وہ سنا ان سنا کر دیا گیا اور آج سعودیہ اور پورا عالم عرب اسرائیل کے ہاتھوں اس کی سزا بھگت رہا ہے ؎ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

ایک مسلمان ملک کے لئے مقابلہ کفر کے واسطے جیسے تقوی، طہارت، تقدس اور تعلق مع اللہ کی ضرورت ہے، اسی طرح رائج الوقت اسلحہ بھی ان کے برابر کا یا ان سے بڑھ کر ہونا ضروری ہے، اسی طرح مسجد نبوی اور مسجد الحرام میں بیٹھ کر دعائیں کرنا کافی نہیں بلکہ میدان جنگ میں نکل کر افواج عدو کو للکارنا بھی ضروری ہے، اپنی بساط کے مطابق اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لانا بھی از حد ضروری ہے، اللہ کی مدد پر بھروسہ کرنا بالکل برحق ہے، مگر اللہ کی مدد بھی اسوقت آتی ہے جب تین سو تیرہ کی تمام پونجی لے کر میدان بدر میں حاضر ہو جائیں، حضور علیہ السلام نے جو فتح کی دعا کی ہے اور اللہ کی مدد کو پکارا ہے وہ حجرہ نبوت میں بیٹھ کر نہیں، مسجد نبوی میں نہیں بلکہ عریشۂ میدان جنگ میں سجدہ ریز ہو کر پکارا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے تمام میسر وسائل لے کر میدان جنگ میں کھڑے ہونا ہمارا کام ہے، پھر مدد ونصرت اتارنا خدا کا کام ہے، ہم اگر اپنا کام نہ کریں اور چاہیں کہ خدا اپنی مشیت وقدرت سے فرشتوں کی فوج اتار کر ہماری جنگ لڑے اور ہمیں فتح یاب کرے، یہ نہ کبھی ہوا ہے نہ کبھی ہوگا۔ اس لئے عالم اسلام اور مسلم حکمرانوں کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ

ہر طرح کے اسلحے میں خود کفیل ہوں، اسلحہ سازی کی صنعت ویسے بھی بڑی منافع بخش ہے، امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور روس کے پیداواری وسائل میں اسلحہ سازی سرفہرست ہے، یہ ان کی ملکی آمدن کا بہت بڑا ذریعہ ہے، وہ ایک پاؤ لوہا لے کر اس پہ محنت کر کے اس کا گرنیڈ بنا کر اسے ہزاروں روپے میں بیچتے ہیں، کلاشنکوف کو چند کلو لوہا لگتا ہے، وہ اتنے لوہے کو ایک خاص شکل دے کر چالیس پچاس ہزار میں بیچتے ہیں، ایک میزائل جو پانچ دس کلو کا ہوتا ہے، وہ لاکھوں میں فروخت ہوتا ہے، پھر یہ ملک خود ہی جنگیں لگوا دیتے ہیں اور فریقین کو اسلحہ سپلائی کر کے ان کا تمام زرِ مبادلہ سمیٹ لیتے ہیں۔ مسلمان تاجر اگر خالص کاروباری اور تجارتی نقطہ نظر سے بھی دیکھیں تو اسلحہ سازی کی صنعت ان کے لئے ہر تجارت سے بڑھ کر منافع بخش ہے، اس لئے مسلم تجار کو اس کی طرف توجہ کر کے اسلحہ سازی کے کارخانے لگا کر اس صنعت میں پاکستان کو خود کفیل کر دینا چاہیے۔

غیر مقلدوں اور سعودیوں میں واضح فرق

جنازہ کی تکبیریں: غیر مقلدین جنازہ کی ہر رکعت میں چھ تکبیریں کہتے ہیں، جبکہ حرم شریف میں ہم نے بیسیوں جنازے پڑھے، امامانِ حرم صرف چار تکبیریں کہتے ہیں، جیسے حنفیہ کا معمول ہے اور جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحمہ نجاشی کے جنازے پر پڑھی تھیں۔ اور اسی پر اصحاب رسول کا اجماع ہے جیسے امام محمد امام احمدؒ اور امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے: **فأجمع رای أصحاب محمد أن ينظروا آخر جنازة كبر عليها رسو ل الله صلى الله عليه وسلم اربعاً.** یعنی اصحاب رسول کا اس پر اجماع ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری جنازے پر چار تکبیریں پڑھی تھیں، لہٰذا چار ہی کو معمول بنایا جائے، زائد کو چھوڑ دیا جائے، ائمہ حرم جنازہ کی دعائیں بھی آہستہ پڑھتے ہیں نہ کہ غیر مقلدوں کی طرح جہراً، اور وہ نماز ہلکی پھلکی پڑھتے ہیں یعنی ہر تکبیر کے بعد صرف ایک دعا پڑھتے ہیں نہ کہ غیر مقلدوں کی طرح تمام ماثورہ دعاؤں کو جمع کر کے دیکھنے والوں پہ رعب ڈالتے ہیں کہ دیکھو ہم نے کتنی لمبی اور خشوع والی نماز پڑھائی ہے!!!

اذان جمعہ: سعودی حضرات جمعہ کی دو اذانیں دیتے ہیں یعنی اذانِ رسول بھی اور اذانِ عثمانی بھی، جبکہ غیر مقلدین اذانِ عثمانی کو بدعت کہتے ہیں اور صرف ایک ہی اذان دیتے ہیں۔ حالانکہ اذانِ عثمانی پر بھی اصحابِ رسول کا اجماع ہے اور بخاری شریف صفحہ ۱۲۴ ر پر حضرت سائبؓ بن یزید کی حدیث موجود ہے، جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ: فثبت الامر علىٰ ذالك یعنی اذان عثمانی ہی ہمیشہ کی سنت مقرر ہو گئی۔ مگر اس سنت کو غیر مقلد بدعت کہتے ہیں۔

نماز تراویح: اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان المبارک حرمین شریفین میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائی، دونوں حرموں میں ہم نے تراویح پڑھی، حرمِ مکہ میں بھی بیس تراویح پڑھی جاتی ہیں اور حرم مدینہ میں

بھی بیس، البتہ امام دو ہیں، دس تراویح ایک امام پڑھاتا ہے دس دوسرا، کچھ لوگ دس پڑھ کے چلے بھی جاتے ہیں، مگر اکثر و بیشتر سب لوگ بیس پڑھ کے وتر بھی ادا کرکے جاتے ہیں۔ جبکہ غیر مقلدین بیس تراویح کو ''بدعت عمری'' کہتے ہیں اور صرف آٹھ رکعات پر اکتفا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت حضرت عائشہ صدیقہ سے منقول ہیں، حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر کی نماز ہے جو حجرہ نبوت میں مائی عائشہ صدیقہؓ کے سامنے پڑھی گئی، آخر رات میں پڑھی گئی، بے جماعت پڑھی گئی، چار چار رکعات پڑھی گئیں، گویا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کو زبردستی نماز تراویح بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غیر رمضان کی تہجد ہی رمضان میں آکر تراویح بن جاتی ہے۔ اگر تراویح و تہجد ایک ہی نماز ہے تو حرم شریف میں تراویح کے بعد پھر صلوٰۃ اللیل کیوں پڑھی جاتی ہے اور خود امام بخاری کیوں تراویح کے بعد آخر رات میں تہجد پڑھتے ہیں؟ غیر مقلدوں کے بانی مبانی میاں نذیر حسین بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے، کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ دو مستقل نمازیں ہیں؟ جن میں سے تہجد کی آٹھ رکعات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں سیدہ عائشہ کے سامنے پڑھیں اور تراویح مسجد میں پڑھائی تین رات تک باجماعت پڑھاتے رہے۔ مگر اس میں کتنی رکعات پڑھائیں؟ اس کی صحیح تعداد کسی صحیح روایت میں منقول نہیں، صرف ہٹ دھرمی کے ساتھ تہجد کو تراویح بنا کر آٹھ رکعات کو معمول بنایا ہوا ہے، جبکہ ائمہ اربعہ کے ہاں تراویح بیس رکعات سے کم ہرگز نہیں اور یہی حرمین میں ائمہ حرمین کا معمول ہے اور غیر مقلدین کے علاوہ ساری دنیا بیس پڑھتی ہے۔

عرب دنیا کی رہنمائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں:

آج دنیا ہٹ ہٹا کر پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ چھٹی صدی مسیحی میں تھی۔ یہ عالم پھر اُسی دوراہے پر نظر آرہا ہے جس پر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تھا۔ آج اس کی ضرورت ہے کہ عرب قوم جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاص ہے، میدان میں نکل آئے اور پھر دنیا کی قسمت بدلنے کے لیے جان کی بازی لگا دے اور اپنی تمام آسائش و ثروت دنیا کی نعمتوں ترقی و خوشحالی کے امکانات اور اپنے سامان راحت کو خطرہ میں ڈال دے تاکہ دنیا اس مصیبت سے نجات پائے جس میں وہ مبتلا ہے۔ اور زمین کا نقشہ بدل جائے۔

عالمِ عرب اپنی خصوصیات، محل وقوع اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے کا حق دار ہے، وہ یہ کرسکتا ہے کہ عالم اسلام کی قیادت کا بیڑہ اٹھائے اور مکمل تیاری کے بعد یورپ سے آنکھیں ملا سکے، اور اپنے ایمان اور دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غالب آجائے اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف، تباہی و بربادی سے امن و سکون کی طرف لے آئے یا جس طرح مسلمانوں کے قاصد نے

یزدگر کی مجلس میں کیا تھا، انسانوں کی پرستش سے نکال کر خدائے واحد کی پرستش میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دین کی کشادگی میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کی عدل گستری میں داخل کر دے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں: مجھے اب بھی یقین ہے کہ جن مخلص ہاتھوں نے کعبہ کی تعمیر کی تھی وہی دنیا کی تعمیر نو کا فرض انجام دے سکتے ہیں۔واللہ الموفق لکل خیر۔

ناموس ازل را تو امینی تو امینی　　دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی　　صہبائے یقین درکش و از دیر گماں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

فریاد ز افرنگ و دل آویزیٔ افرنگ　　فریاد زشیرینی و پرویزیٔ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزیٔ افرنگ　　معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

فوجی زندگی کی اہمیت مولانا ابوالحسن ندوی کے الفاظ میں:

''یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ عربی اقوام نے اپنی بہت سی فوجی خصوصیات کو ضائع کر دیا، خاص طور پر شہسواری ان کی زندگی سے بالکل خارج ہوگئی ہے جو ایک بہت بڑا نقصان اور میدان جنگ میں ہزیمت اور کمزوری کا بہت اہم سبب ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کی فوجی سپرٹ جوان کا طغرائے امتیاز تھی ختم ہوگئی، جسم کمزور ہوگئے، لوگ ناز و نعم میں زندگی گزارنے لگے، موٹروں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی۔ اور قریب ہے کہ عربی گھوڑے جن کی دنیا میں دھوم ہے جزیرۂ عرب سے نیست و نابود ہو جائیں، لوگوں نے کشتی، شہسواری، جنگی مشقوں اور دوسری جسمانی ورزشوں کو فراموش کر دیا اور ان کھیلوں کو اختیار کر لیا جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے تعلیم و تربیت کے رہنماؤں کیلئے ضروری ہے کہ عرب نوجوانوں میں شہسواری، فوجی زندگی، سادگی، استقلال، عزیمت اور مصائب پر صبر و استقامت کی اہمیت پیدا کریں۔ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ عجمی ممالک میں اپنے عربی عمال کو لکھتے ہیں: **ایاکم والتنعم وزیّ العجم وعلیکم بالشمس فانہا حمام العرب وتعمدوا**............ یعنی تن آسانی و راحت طلبی کی زندگی اور عجمی لباسوں سے ہمیشہ دور رہو۔ دھوپ میں بیٹھنے اور چلنے کی عادت برقرار رکھو کہ وہ عربوں کا حمام ہے۔ جفاکشی، سادہ زندگی، صبر و تحمل، موٹے جھوٹے پہننے کے عادی بنو، گھوڑے پر جست لگا کر بے تکلف بیٹھنے کی مشق جاری رکھو۔ اور اپنے نشانے درست کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **أرموا بنی اسماعیل فان اباکم کان رامیا.** [بخاری شریف] اے اہل عرب تیراندازی کی مشق کیا کرو اس لئے کہ تمہارے جد امجد حضرت اسماعیل

تیرانداز تھے۔ایک جگہ ارشاد فرمایا:''الاان القوۃ الرمی''[مسلم شریف]یادرکھ جس قوت کے تیار رکھنے کی قرآن مجید میں تاکید ہے وہ تیراندازی ہے۔

تعلیم وتعلم کے ذمہ داروں کا فرض ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی وشجاعت کی روح کو کمزور کررہی ہو اور عجز پیدا کرتی ہو۔عریاں صحافت نگاری، فحش اور ملحد ادب کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاق، بے حیائی، فسق وفجور اور شہوت پرستی کی تبلیغ کررہا ہو۔ان پیشہ وروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی کیمپ میں داخل نہ ہونے دیں جو اصل انسانی کے قلب واخلاق میں فساد برپا کرنا چاہتے ہوں اور فسق ومعصیت اور فحش پسندی کو چند حقیر پیسوں کے لیے خوبصورت اور مزین بنا کر پیش کریں، تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی قوم میں مردانگی اور غیرت انسانی کو زوال ہوا عورتوں نے اپنی نسائیت اور فطرت مادری کے خلاف بغاوت کی اور آزادی وبے حجابی کی راہ اختیار کی، ہر چیز میں مردوں کے ساتھ مسابقت کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت وغفلت برتی اور ضبط تولید کی رغبت پیدا ہوئی تو اس کا ستارہ اقبال غروب ہوگیا۔رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی مٹ گئے، یونانی، رومی، اور ایرانی اقوام کا انجام یہی ہوا اور یورپ بھی آج اسی راہ پر گامزن ہے جو اس انجام تک جاتی ہے، عالم عربی کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں اس کا انجام بھی یہی نہ ہو۔''[مسلمانوں کا عروج وزوال،ص:۳۶۱]

دو مکالمات:

میں مغرب کی جماعت کے انتظار میں حرم شریف میں بیٹھا ہوا تھا، میرے دائیں طرف صف میں ایک عرب بیٹھا تھا، اس نے مجھ سے عربی میں پوچھا: صدر مشرف کیسا آدمی ہے اور لال مسجد کا کیا قصہ ہے؟ ماسانحة المسجدالاحمر والجامعة الحفصة؟ میں نے اسے بتایا **کانت فی الجامعة الحفصه خمسة آلاف طالبات اتین من اقصاء باکستان لحفظ القرآن الکریم فقتلن کلھن بامر مشرف.** (جامعہ حفصہ میں پانچ ہزار طالبات تھیں جو پاکستان بھر کے مختلف علاقوں سے قرآن کریم حفظ کرنے آئی تھیں، ان کو پرویز مشرف کے حکم پر شہید کر دیا گیا) یہ سن کر اس پر رقت طاری ہوگئی، اس نے انا للہ پڑھی اور کہنے لگا کہ: سینتقمہ اللہ عنقریب ان شاء اللہ ۔(اللہ تعالیٰ جلد اس سے انتقام لے گا۔)

پھر اس نے پوچھا: أھو مسلم؟ ۔(کیا وہ مسلمان ہے؟) میں نے کہا: ھو علیٰ عقیدۃ مصطفیٰ کمال باشا اتاترك. (وہ مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک کا ہم عقیدہ ہے) اس پر اس نے کہا: ھو کافر وھذا کافر ولھٰذا اقتدف ھذا الظلم العظیم علیٰ طالبات القرآن عفیفات معصومات، سوف ینتقم اللہ منه ان شاء اللہ ۔(وہ بھی کافر، یہ بھی کافر، اسی لیے اس نے قرآن پڑھنے والی معصوم پاکباز طالبات پر اتنا بڑا ظلم کیا، ان شاء اللہ جلد اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔)

اس سے اگلے دن اسی جگہ ایک عرب بیٹھا تھا اور وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا، مگر اس نے قرآن اپنے پاؤں پر رکھا ہوا تھا یعنی ہاتھوں کے نیچے جھک کر وہ پاؤں کو چھو رہا تھا، میں نے کہا: "انـه لـقـرآن کـریـم" فـاکرمه یاشیخ! (حضرت! یہ قرآن کریم ہے، اس کا ادب کیجیے!) اس نے کہا: **کیف أکـرمه؟ لیـس هـذا إکـرام رفعتُه بیدی؟** (اور کیسے ادب کروں؟ کیا یہ ادب نہیں کہ میں ہاتھوں میں اٹھائے بیٹھا ہوں؟) میں نے کہا: **هـذا إکـرام وضتَعه علیٰ رجلیک؟** (کیا یہ ادب ہے کہ تم نے اپنے پاؤں پہ رکھا ہوا ہے؟) وہ مجھ سے توجہ ہٹا کر اسی طرح پڑھتا رہا۔

اگلے دن ایک اور عرب شیخ اسی جگہ بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا اور ایسے ہی اس کا قرآن بھی پاؤں کو چھو رہا تھا، میں نے پہلے اسے اسی آیت (انـه لقرآن کریم) کی طرف توجہ دلائی، پھر میں نے یہ آیت پڑھی: فـی صـحف مکرمة مرفوعة مطهرة بایدی سفرة کرام بررة، یہ سن کر وہ ذرا ٹھٹکا، پھر قرآن پاک اوپر اٹھا لیا اور اس کے سامنے افطاری کا جتنا سامان تھا وہ سارا اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا اور خود پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا، میں نے اسے پھر برابر بٹھایا اور اس کا سامان اس کے سامنے کر دیا۔ وہ پھر بھی اصرار کر کے مجھے کھلاتا رہا۔فجزاه الله خیرالجزا

میں نے اندازہ لگایا کہ یہ لوگ قرآن پاک کی بے حرمتی اور کعبۃ اللہ کی بے تعظیمی [اس کی طرف پاؤں کر کے] کے متعلق کوئی بھی ناصحانہ بات سننے کے لیے بہت کم تیار ہوتے ہیں، قرآن پاک کو پڑھ کر زمین پر رکھ دیتے ہیں اور خانہ کعبہ کی طرف پاؤں دراز کر کے لیٹ جاتے ہیں، یہ عادتِ بد کوئی اکا دکا لوگوں کی نہیں بلکہ بہت سے عرب ایسا کرتے ہیں اور جو ایسا نہ کرے اور خانہ کعبہ کی طرف سر کر کے لیٹ جائے سمجھ لو یہ عجمی یا ہندوستانی، پاکستانی ہے عرب نہیں۔

ہمارا ایک عزیز: ہمارا ایک عزیز جو جدہ میں رہتا ہے اور عرصہ دراز سے وہاں رہ رہا ہے، اس نے اپنے عربی ماحول سے غیر مقلدی بھی سیکھ لی ہے، نماز بھی رفع یدین کے ساتھ پڑھنے لگ گیا ہے، وہ ہمیں ملنے کے لیے حرم مکی میں آیا، ہم باب فہد کے اندر بیٹھے بات چیت کر رہے تھے، اس نے تھکاوٹ محسوس کی تو وہیں لمبا ہو گیا اور جھٹ ٹانگیں قبلہ رخ کر لیں، میں نے اس سے کہا ٹانگیں قبلہ رخ نہ کرو! وہ کہنے لگا سارے عرب ایسے ہی کرتے ہیں، میں نے کہا عرب لوگ جو بھی الٹا کام کریں گے ان کی دیکھا دیکھی تم بھی اسی طرح الٹا شروع کر دو گے؟ یہ دیکھو جتنے عرب ہیں سب نے داڑھیاں منڈائی ہوئی ہیں اور ان کی شکلیں کتنی مکروہ لگتی ہیں تو پھر تم بھی ان کی ریس میں داڑھی منڈا دو! اس نے کہا یہ عرب نہیں مصری اور حبشی ہیں، میں نے کہا مصری اور حبشی بھی تو عرب ہی ہیں، اس پر اس نے کہا کہ ان کی جو بات ہمیں پسند ہو گی وہ کریں گے جو ناپسند ہو گی وہ

نہیں کریں گے، میں نے کہا تیری پسند ناپسند کا کیا اعتبار ہے دیکھنا تو کتاب وسنت اور فقہ اسلام کو ہے جو وہاں ہے اس کو اپنانا چاہیے جو وہاں نہیں اس کو چھوڑ دینا چاہیے، تب اس نے کہا قرآن پاک اور حدیث رسول کا تو ہمیں علم نہیں، میں نے کہا اگر علم نہیں تو پھر باپ دادا سے جو حنفی دین چلا آ رہا تھا اس میں کیا نقص تھا جو اس کو چھوڑ دیا اور باپ دادا کے علی الرغم یہ جو رفع یدین ان کو دیکھ کر شروع کر دیا ہے؟ یہ تو ایک متروکہ سنت ہے ابن عمرؓ راوی رفع یدین ہی کی زمانہ بعد کی ایک حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ جا کر رفع یدین چھوڑ دیا تھا اور آپ نے چھوڑنے کی بجائے کرنا شروع کر دیا!! اس نے کہا میں حدیثیں نہیں جانتا، یہ علم والوں کی باتیں ہیں، میں نے کہا پھر علم والوں کی بات مانو! اس پر اس نے بات کو ختم کر دیا اور کوئی دوسری بات شروع کر دی۔

جو دن حرمین میں گزرے ہیں وہ ایسے تھے جیسے ہم جنات عدن میں رہ رہے ہوں، اب حرمین سے نکلنا بھی جیسے آدم جنت سے رخصت ہو رہے ہوں، سولہ اکتوبر ہماری واپسی کی تاریخ مقرر تھی۔ ہمارے جدہ والے عزیزوں کا اصرار تھا کہ واپسی میں ایک دو دن ہمارے پاس ٹھہر کر جاؤ، میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم لوگ مکہ مکرمہ سے آکر ہمیں لے جاؤ گے تو ہم چلے آئیں گے، چنانچہ وہ چودہ کی شام بعد از عشا گاڑی لے کر آ گئے، سوق مسفلہ میں قصر آسیا کے سامنے انہوں نے گاڑی کھڑی کی اور سامنے گلی میں ہماری رہائش بقالۃ العبودی پر آکر ہمیں اطلاع دی کہ جلدی چلو ورنہ کمیٹی والے گاڑی اٹھا کر لے جائیں گے، تیاری تو ہم نے کر رکھی تھی، ہم فی الفور کھڑے ہو گئے، کچھ سامان انہوں نے اٹھایا کچھ ہم نے لیا، یوں دو پھیروں میں سامان اور ہم گاڑی تک پہنچ گئے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی انہوں نے سیون اپ کے مشروب سے ہماری تواضع کی اور ہم مکہ مکرمہ کو الوداع کہتے ہوئے دوبارہ حاضری کی تمنا لئے ہوئے جدہ کی طرف روانہ ہو گئے، طوافِ وداع ہم نے دن کو کر لیا تھا، رستے میں وہ ہمیں آس پاس کی عمارتوں اور اہم مقامات سے آگاہ کرتے گئے، شہر سے باہر نکل کر کافی آگے جا کر انہوں نے بتلایا کہ یہاں ہمارے برابر دائیں طرف ایک بہت بڑا اونٹوں کا باڑہ ہے جس میں ہزاروں اونٹ رکھے گئے ہیں تا کہ کاریں اور گاڑیاں ان کی نسل کو ختم نہ کر دیں۔ تھوڑا آگے جا کر بتلایا کہ یہاں ذرا پیچھے ہٹ کر نواز شریف کی سٹیل مل ہے جس میں شاہی خاندان کے بھی حصص ہیں۔ میں نے کہا اگر شاہی خاندان شریف برادران کا شراکت دار ہے تو انہیں پاکستان سے ملک بدری کا کیا افسوس ہوگا؟ کسی نے کہا کہ ان کو افسوس صرف اس بات کا ہوگا کہ یہاں وہ اپنی سیاست بازی نہیں کر سکتے۔ جو مالدار لوگوں کی ایک قسم کی عیاشی ہوتی ہے مکہ مکرمہ کی آبادیاں ختم ہوئیں تھوڑی سی بے آباد پہاڑیوں کو عبور کیا تو جدہ کی آبادی شروع ہو گئی۔

سعودیہ کا بجلی نظام:

سعودیہ میں کوئی دریا نہیں ہے جس پر بجلی گھر بنائے جا سکیں، وہاں ساری بجلی ہائیڈرو الیکٹرک سکیم

سے بنائی جاتی ہے جو کسی قدر مہنگی ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود وہاں کبھی لوڈ شیڈنگ نہیں ہوئی، پاکستان جو چھ دریاؤں کی سرزمین ہے میں لوڈ شیڈنگ کبھی ختم نہیں ہوئی، اور سعودیہ میں کبھی اس کی ضرورت نہیں پڑی۔ یہ میری تیسری حاضری تھی، لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ یہاں ایک منٹ کے لیے بھی بجلی گئی ہو، حرمین شریفین ہمیشہ بقعۂ نُور بنے رہتے ہیں، دونوں مقدس شہر ہمیشہ جگمگاتے رہتے ہیں اور انہیں جگمگانا ہی چاہیے کیونکہ انہی کے نور سے سارا عالم منور ہے۔ انہی کے فیض سے ساری مسجدیں آباد ہیں، مدارس انوار شریعت تقسیم کررہے ہیں، دینیات کی بہاریں قائم ہیں، عبادتیں اور ریاضتیں ہو رہی ہیں، اس سرچشمۂ نور کو ہمیشہ چمکتا دمکتا رہنا چاہیے۔ اسی کی وجہ سے قیامت موخر ہے، جب خانہ کعبہ کو ایک ٹھگنا حبشی ڈھادے گا اس یادگار ابراہیمی کو شہید کردے گا اور اس کے خفیہ خزانے نکال کرلے جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس دنیا کی صف لپیٹ دے گا اور عالمِ حشر قائم کردے گا۔ ؎

قیامِ بزمِ ہستی ہے اسی سے ظہورِ اوجِ بستی ہے اسی سے

جدہ کی وسیع وعریض جگمگاتی شاہراہوں سے گزر کر ہم رات کے ایک بجے منزل مقصود پر پہنچ گئے، یہاں چوہدری منیر احمد صاحب اور بھائی محمد صادق صاحب ہمارے میزبان تھے، نماز تو ہم مکہ مکرمہ میں حرم کی آخری نماز کے طور پر پڑھ ہی آئے تھے، یہاں پہنچنے کے آدھ گھنٹہ بعد دستر خوان لگ گیا اور ہم کھانے کے لئے بیٹھ گئے، آدھ گھنٹے میں کھانے اور اس کے لوازمات سے فارغ ہوئے اور سونے کے لیے لیٹ گئے، صبح فجر کی نماز ایک قریبی مسجد میں پڑھی وہ مسجد بھی خاصی بڑی تھی، شرقاً غرباً مستطیل بنی ہوئی تھی جس میں اندازاً تیس صفیں بن سکتی ہیں، اس وقت بھی پانچ چھ صفیں بن گئیں تھیں چونکہ مسجد بڑی اور صفیں کم تھیں اس لئے امام محراب میں یا اس کے قریب نہیں بہت پیچھے ہٹ کر کھڑا تھا۔ یہاں ہم نے مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی کیونکہ جدہ مکہ مکرمہ سے مغرب میں ہے، امام صاحب بہت اچھے قاری تھے اور امام حرم کی نقل کررہے تھے جس میں وہ خاصے کامیاب رہے۔

یہ سارا دن ہم نے گھر پر ہی گزارا، البتہ عصر کے بعد ہمارے ایک اور دوست لینے کے لیے آگئے جو ''خانقاہ شریف'' کے علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے بچوں نے قرآن پاک ہمارے پاس پڑھا ہے، شام کا کھانا ان کے پاس کھایا، انہوں نے ہمیں ساحل سمندر کی سیر بھی کرائی رات کا وقت تھا، تماش بین تو بہت تھے، لیکن لائیٹنگ کا معقول انتظام نہیں تھا جیسا کراچی میں ساحل پہ بہت شاندار انتظام ہوتا ہے، تاہم آدھ گھنٹے مٹرگشت کرکے واپس ان کے گھر آگئے، پھر ان سے اجازت مانگی کہ ہم پہلے میزبانوں کے پاس چلے جائیں انہوں نے کافی تحفے تحائف دے کر ہمیں رخصت کیا۔ جزاھم اللہ خیر الجزا یہاں آتے ہی ہم

سو گئے اور صبح اٹھتے ہی ہم نے تیاری شروع کر دی۔

جدہ ائیرپورٹ:

ہماری سیٹیں تو او کے تھیں لیکن ہمیں اپنے ائیر پورٹ کا پتہ نہیں تھا کہ فلائٹ کس ائیر پورٹ سے ہوگی کیونکہ یہاں تین ائیر پورٹ ہیں، منیر احمد صاحب پہلے ہمیں عام غیر ملکی جہازوں والے ائیر پورٹ پر لے گئے، وہاں جا کے پی آئی اے کا کاونٹر تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ مل سکا، پھر وہ ہمیں حاجی کیمپ والے ائیر پورٹ لائے تو وہاں پی آئی اے کا کاؤنٹر سرگرم عمل تھا۔ ہم چونکہ پہلے دوسرے ائیر پورٹ پہ ایک گھنٹہ ضائع کر کے آئے تھے۔ اس لئے یہاں دیر سے پہنچے اور سامان وصول کرنے والے عملہ نے نخرے دکھانے شروع کر دیئے کہ تم دیر سے آئے ہو اب تو دوسری فلائٹ کے سامان کی بکنگ شروع ہوگئی ہے، اب تم شام کو چار بجے جا سکو گے۔ ہم بہت پریشان ہوئے ان کی منت سماجت کی، مگر وہ بیٹھے پہ ہاتھ ہی نہیں رکھنے دیتے تھے، کچھ اور منت سماجت کی تو بادل نخواستہ مان گئے اور ہمارا سامان کانٹے پہ چڑھا دیا گیا، دل زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ سامان زیادہ نہ ہو جائے، مگر خیر گزری کہ برابر سرابر ہو گیا، سامان ان کی لفٹ پہ رکھ کے ہم لائن میں لگ گئے، کندھے میں ڈالے ہوئے بیگ کچھ زیادہ وزنی نہ تھے۔ اگرچہ چار پانچ جگہ لائن میں لگنا پڑا مگر وزن کم ہونے کی وجہ سے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ گیلری سسٹم کے ذریعہ جہاز کے اندر پہنچے تو پتہ چلا کہ ہماری اور خواتین کی سیٹیں الگ الگ رکھی ہوئی ہیں، انہوں نے دونوں خواتین کو اکٹھے بٹھا دیا، مجھے ان کے برابر دوسری طرف بٹھا دیا اور عابد کو سیٹ اوپر والی منزل میں دی گئی، اس طرح ہم ایک دوسرے سے جدا جدا محوِ سفر رہے اور چار گھنٹے میں کراچی ائیر پورٹ پر پہنچ گئے۔

رات ہو گئی تھی، حافظ ارشد صاحب ہماری پیشوائی کے لیے پہنچے ہوئے تھے، انہوں نے سامان کی ٹرالی میرے ہاتھ سے لے لی، ان کی اہلیہ بھی ہمراہ تھیں، وہ ہماری خواتین سے گلے ملیں اور ہمیں ساتھ لے کر ٹیکسی تک پہنچایا، چار سو دس روپے ٹیکسی والے نے مانگے اور ہمیں بخیریت دستگیر نمبر ۱۴ ر میں اپنے گھر پہنچا دیا۔ آگے گاڑی کی سیٹیں بھی ارشد صاحب کے ذریعے بک ہو چکی تھیں، اس لئے اگلے دن ''نائٹ کوچ'' میں سوار ہو کر بہاول پور پہنچے، سارے عزیزان اسٹیشن پر پہنچے ہوئے تھے، ان کے جلوس ڈالے پر سوار ہو کر بخیر و عافیت خانقاہ شریف پہنچ گئے۔ وللہ الحمد والشکر۔ یا اللہ یہ ہمارا آخری پھیرا نہ ہو، ہمیں بار بار حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ نصیب فرما اور ہمارے تمام عزیزوں اور دوستوں کو بھی اس نعمت سے سرفراز فرما۔ آمین یارب العالمین۔ (ختم شد)

☆......☆......☆......☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

شیرِ خدا سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ کے والد کا نام عبد مناف اور کنیت ابو طالب تھی، آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا، آپؓ کی والدہ اسلام کی سعادت سے بہرہ ور ہوئی تھیں اور ہجرت سے پہلے وفات پا گئی تھیں، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کی والدہ کا نام بھی فاطمہ تھا، دادی کا نام بھی فاطمہ تھا اور اہلیہ محترمہ کا نام بھی فاطمہ تھا، حضرت علی المرتضیٰؓ کی کنیت ابو الحسن تھی، آپؓ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے، بعثت نبوی (آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت) سے دس سال پہلے پیدا ہوئے، بچوں میں سب سے پہلے آپؓ ہی اسلام لائے، تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے، غزوہ تبوک میں آنحضرت ﷺ نے خود ہی انھیں خواتین اور بچوں وغیرہ کی حفاظت کے لیے مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا، حضرت سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپؓ خلیفہ مقرر ہوئے، آپؓ کے عہد میں مسلمانوں کی باہمی جنگیں بھی ہوئیں، جنگ جمل تو سبائی سازش کا نتیجہ ہے، جنگ صفین کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں **وکل من الفریقین مجتھد** ''اور دونوں فریق مجتہد تھے'' حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کو مجتہد مصیب ہونے کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا۔ اور حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کو بھی اجر ملے گا۔ حضرت سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت سیدنا عمرو بن عاصؓ کو فریقین نے متفقہ ثالث اور فیصل تجویز کیا اور ان دونوں نے ایسے کامیاب مذاکرات کیے کہ اس کے بعد فریقین کے کسی ایک فرد کے خون کا ایک قطرہ تک نہ بہا۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ نے چار سال آٹھ ماہ پندرہ دن حکومت کی اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی روایت کے مطابق آپؓ سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ میں عبد الرحمٰن بن ملجم خارجی کے قاتلانہ حملے میں شہادت کا تاج اپنے سر سجا کر بارگاہِ حق میں حاضر ہو گئے، حضرت سیدنا حسنؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ میں نامعلوم مقام پر آپ کی تدفین ہوئی (الاصابہ ج ۲ ص ۱۲۹۴، الاستیعاب ص ۵۲۷، اسد الغابہ ص ۵۹۶ ج ۲)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کی شہادت پر متعدد شعراء نے مرثیے لکھے، حضرت سیدنا ابو الاسود دؤلی کے لکھے ہوئے قصیدہ کے چار اشعار ملاحظہ ہوں:

الا یا عین ویحک اسعدینا
الا تبکی امیر المؤمنینا
قتلتم خیر من رکب المطایا

فــذلـــلهـــا ومـــن ركـــب الســـفيـــنـــا
اذا استـــقبـــلـــت وجـــــه ابـــي حسيـــن
رئيـــت البـــدر راق الـــنـــاظـــريـــنـــا
فـــلا تشـــمـــت مـــعـــاوية بـــن حـــرب
فـــان بـــقية الـــخـــلـــفـــاء فيـــنـــا

ترجمہ: اے آنکھ کچھ ہماری مدد کر، تو امیر المؤمنین کے لیے کیوں نہیں روتی؟ تم نے اس شخص کو قتل کر دیا جو تمام شہسواروں سے بہتر شہسوار تھا اور جو کشتیوں میں سوار ہونے والوں میں بہتر تھا، اے مخاطب! جب تو حسینؓ کے والد کا چہرہ دیکھتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ماہِ کامل ہے جو لوگوں کی نظروں کو خوش کر رہا ہے، اے مخاطب! اب حضرت معاویہؓ کو ناپسند مت کر (اور غنیمت جان) کیونکہ وہ ہم میں پہلے خلفاء کی یادگار ہیں۔
(اسد الغابہ ج ۲ ص ۶۲۲)

فضائل ومناقب: آپ کے فضائل ومناقب شمار سے باہر ہیں یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: **لم ينقل لاحد من الصحابة ما نقل لعلي** ''حضرت علیؓ کے جتنے فضائل منقول ہیں اتنے کسی صحابی کے منقول نہیں ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: **وقد ولد له الرافضة مناقب موضوعة هو غني عنها** ''روافض نے حضرت علیؓ کے بہت سے فضائل گھڑ لیے ہیں جبکہ حضرت علیؓ کے صحیح روایات سے اتنے فضائل ثابت ہیں کہ حضرت علیؓ روافض کے گھڑے ہوئے فضائل کے محتاج نہیں ہیں۔''

(۱) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا: **انت مني بمنزلة هارون من موسى، الا انه لانبي بعدي** ''(دنیا وآخرت میں قرابت ومرتبہ میں اور دینی مددگار ہونے کے اعتبار سے) تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے، بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''۔ (بخاری ومسلم)

(۲) حضرت زر بن حبیش (تابعی کہتے ہیں کہ) سیدنا علیؓ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑا (یعنی اُگایا) اور ذی روح کو پیدا کیا در حقیقت نبی امی ﷺ نے مجھ کو یقین دلایا تھا: **لايحبني الا مؤمن ولايبغضني الا منافق** ''کہ جو (کامل) مؤمن ہوگا وہ مجھ سے (یعنی علیؓ سے) محبت رکھے گا اور جو منافق ہوگا وہ مجھ سے عداوت رکھے گا۔'' (مسلم)

(۳) سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن فرمایا: ''کل میں یہ جھنڈا (کہ جو کمانداری کی علامت ہے) ایک ایسے شخص کو عطا کروں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اس کو دوست رکھتے ہیں''

چنانچہ تمام صحابہ نے اس انتظار وشوق میں پوری رات جاگ کر گذاری کہ دیکھئے کل صبح یہ سرفرازی کس کے حصہ میں آتی ہے اور جب صبح ہوئی تو ہر شخص اس آرزو کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ جھنڈا اسی کو ملے، آنحضرت ﷺ نے (تمام صحابہؓ پر نظر ڈال کر) فرمایا کہ ''علی بن ابی طالب کہاں ہیں'' دراصل حضرت علیؓ آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے تھے تو اس وقت وہاں حاضر نہیں تھے، صحابہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! آنکھوں نے اُن کو پریشان کر رکھا ہے اور اس عذر کی بنا پر وہ یہاں موجود نہیں ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کسی کو بھیج کر ان کو بلوالو! چنانچہ حضرت علیؓ کو بلا کر لایا گیا، رسول کریم ﷺ نے اپنا لعاب دہن اُن کی آنکھوں میں ڈالا اور وہ آنکھیں اِک دم اس طرح اچھی ہو گئیں جیسے ان میں کوئی تکلیف اور خرابی تھی ہی نہیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے اُن کو جھنڈا عطا فرمایا۔'' (بخاری ومسلم)

(۴) حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ: رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم کرایا تو حضرت علیؓ اس حال میں (آنحضرت ﷺ کے پاس) آئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور عرض کیا کہ آپ (ﷺ) نے اپنے اور اصحاب کے درمیان تو بھائی چارہ قائم فرمادیا لیکن کسی سے میرا بھائی چارہ قائم نہیں کیا؟ (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ نے (ان سے) فرمایا: **انت اخی فی الدنیا والآخرۃ** ''تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔'' (ترمذی)

(۵) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ: (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے سامنے (بھنا یا پکا ہوا) پرندہ رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے دعا مانگی: ''اے اللہ! تیری مخلوق میں جو بہت زیادہ تجھ کو محبوب ہو اس کو میرے پاس بھیج دے تا کہ وہ میرے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھائے'' پس حضرت علیؓ آئے اور انھوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھایا۔ (ترمذی)

(۶) ''حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ: رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **أنا دار الحكمة وعلى بابها** 'میں حکمت ودانائی کا گھر ہوں اور علی اس گھر کا دروازہ ہیں''۔ (ترمذی)

(۷) حضرت ام عطیہ کہتی ہیں کہ: (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے کسی جنگی مہم پر ایک لشکر روانہ فرمایا تو اس میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے، امّ عطیہ کا بیان ہے کہ اس موقع پر (جبکہ آپ ﷺ لشکر کو رخصت کر رہے تھے یا لشکر کی واپسی کا دن قریب تھا) میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے ہوئے سنا: ''الٰہی! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ تو علیؓ کو (عافیت وسلامتی کے ساتھ واپسی لا کر) مجھے نہ دکھادے۔ (ترمذی)

نوٹ:...... یہ تمام احادیث مشکوۃ شریف سے منقول ہیں۔

رضی اللہ عنہ وارضاہ

مولانا عبدالحق خان بشیر

حضرت امام اہل سنتؒ......اور......فکری اصلاح وتربیت

قادیانی لٹریچر اور میری شامت!

فکری اصلاح وتربیت کے حوالہ سے ایک واقعہ میری زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ میرے عقائد ونظریات کی صحت واصلاح پر اس واقعہ کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ 1973ء کی غالباً تیسری سہ ماہی تھی۔ حفظ قرآن مکمل کر چکا تھا۔ اور آٹھویں کلاس کا سٹوڈنٹ تھا۔ (بھائیوں میں سے میں پہلا فرد تھا جسے حضرت والد محترم نے پرائمری سے آگے مڈل تک سکول تعلیم کی اجازت دی۔ بڑے تینوں بھائی پرائمری تک ہی تعلیم حاصل کر سکے) قادیانیوں کے کسی رسالہ کے اندر ''لٹریچر مفت حاصل کریں'' کا ایک اشتہار نظر سے گزرا۔ مفت لٹریچر کی خبر پڑھ کر جی بہت للچایا۔ ایڈریس نوٹ کر لیا، تاکہ خط لکھ کر لٹریچر منگوایا جا سکے۔ اس وقت تک نہ قادیانیوں کے خلاف تحریک اٹھی تھی۔ اور نہ پاکستانی پارلیمنٹ نے ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔

اس پتہ پر خط ارسال کر دیا گیا۔ واپسی ایڈریس میں نے اپنے ہمسایہ اور دوست فاروق احمد بسرا کا دیدیا۔ جو اس وقت دسویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ اور ہم دونوں ایک ہی سکول میں زیرِ تعلیم تھے۔ اپنے گھر کا ایڈریس اس لیے نہ دیا کہ اسمیں دو خطرے تھے...... پہلا یہ کہ حضرت والد محترم رحمہ اللہ کا نام پڑھ کر شائد وہ لٹریچر ارسال ہی نہ کریں...... دوسرا یہ کہ گھر کے پتہ پر آنے کی صورت میں وہ کہیں ضبط نہ ہو جائے، میں نے فاروق بھائی کو بتا دیا کہ تمہارے نام میری ڈاک آئے گی اسے سنبھال لینا۔

میں قادیانیوں کے طریقہ واردات اور ان کی تیز رفتار سروس سے بالکل واقف نہ تھا۔ خط ارسال کرنے کے چند ہی دن بعد فاروق بھائی میرے کلاس روم میں آیا، میرا پیریڈ خالی تھا۔ وہ مجھے بلا کے باہر لے گیا، اور بتایا کہ تمہارے خط کے جواب میں دو قادیانی مبلغ ربوہ سے لٹریچر لے کے آئے ہیں۔ وہ پتہ کے مطابق گھر میں پہنچے اور گھر والوں نے سکول بھیج دیا، مبلغوں کا سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔ کہ اب بات آگے بڑھی تو والد محترم تک پہنچے گی۔ اور پھر شامت آوے ای آوے۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ڈاک کے ساتھ دو، دو ڈاکیے بھی ربوہ سے آ سکتے ہیں۔

فاروق بھائی مجھے لیکر سکول کے ایک خالی پلاٹ میں آیا جہاں تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی داڑھی والے دو آدمی اپنے بیگ سامنے رکھے گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھا اور

پوچھا یہ خط آپ نے لکھا تھا۔ میں نے اپنا خط ان کے ہاتھ میں دیکھا کر کہا کہ ہاں، انہوں نے رسائل کا ایک پیکٹ میرے حوالہ کر دیا، اور کہا کہ ہم یہ کتابیں آپکو دینے کے لیے ربوہ سے آئے ہیں۔ میں نے وہ پیکٹ فاروق بھائی کو تھما دیا۔ چونکہ اس کا پیریڈ خالی نہیں تھا، اس لیے وہ پیکٹ لے کر کلاس روم کی طرف چلا گیا۔ اور قادیانی مبلغین نے مجھے گھیر لیا۔

دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع ہوا۔ مرزا قادیانی کے کمالات، قادیانی خلافت کی برکات اور ان کے ذریعہ دنیا میں بڑھتی ہوئی اسلام کی اشاعت کا تذکرہ بڑے مسحور کن انداز میں کیا گیا۔ میں جواب میں صرف ہوں، ہاں پر اکتفا کرتا رہا۔ کیونکہ کم علمی اور قادیانیت سے مکمل ناواقفیت کی بنا پر ان تربیت یافتہ قادیانی ایجنٹوں کا سامنا ومقابلہ کرنا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ البتہ والد محترم کی محنت سے دل کے اندر پیدا کی گئی قادیانیت سے نفرت کو دل سے نکال دینا ان کے بس میں نہ تھا۔ مسلسل خاموشی دیکھ کر وہ سمجھے کہ اس پنچھی کو جال میں ڈالنا آسان ہے۔ جھٹ انہوں نے بیگ سے ایک لفافہ نکالا۔ اور اس میں سے اپنے سالانہ اجتماع کا دعوت نامہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا، انکی اس جسارت کو دیکھ کر میرے قدموں سے زمین سرک گئی۔

دعوت نامہ کے ساتھ انکی طرف سے یہ آفر بھی تھی کہ چار دن کا اجتماع ہے۔ آپ ایک ہفتہ وہاں قیام کریں۔ اپنے ساتھ جتنے دوست لانا چاہیں لائیں۔ آپکو وہاں کی سیر بھی کرائی جائے گی۔ بڑوں سے ملاقاتیں بھی ہوں گی۔ ہر قسم کے شکوک وشبہات بھی دور کیے جائیں گے۔ آمد ورفت اور قیام وطعام کے تمام اخراجات ہماری طرف سے ہوں گے۔ ان کی دعوت قبول کرنا تو ممکن ہی نہ تھا۔ اور ان سے جان چھڑانے کے لیے بھی میرے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔ تنگ آ کر میں نے اپنی وہ نسبت ان کے سامنے ظاہر کر دی، جسے میں اب تک چھپا رہا تھا۔ اور اس نسبت نے مجھے بحمد اللہ تعالیٰ بڑے بڑے فکری شیاطین کے حملوں سے بچایا ہے۔ اور یہ نسبت میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا سرمایۂ افتخار ہے۔ اسی نسبت نے مجھے قرآن وسنت کے حقیقی علوم وافکار سے جوڑا......اسی نسبت نے میرے دل کے اندر اسلاف امت وبزرگانِ دین کی سچی محبت پیدا کی......اسی نسبت نے میرے دل کے اندر گمراہی وضلالت کی نفرت اجاگر رکھی۔ حضرت والد محترم کا نام سن کر ان کے چہرے متغیر ہو گئے......رنگ سیاہ پڑ گئے......ہونٹوں پہ چپ کے تالے لگ گئے......جسموں پہ ایک سکتہ سا طاری ہو گیا......دونوں نے ایک دوسرے کی طرف خاموش نگاہیں بلند کیں اور مایوسی کے تاریک سائے اپنے چہروں پہ لیے اٹھ کھڑے ہوئے......غصہ اور حسرت کے ساتھ میرے طرف دیکھا اور گیٹ کی طرف نکل گئے۔ میں نے بھی ان کو جاتے دیکھ کر سکون واطمینان کا سانس لیا۔

چھٹی کے وقت فاروق بھائی سے وہ پیکٹ وصول کیا۔ ایک طرف سے کھولا، رسالوں کے نام

پڑھے اور پیکٹ بستہ میں رکھدیا، گھر پہنچ کر کھانا کھایا اور حسبِ معمول منزل سنانے کے لیے مسجد چلا گیا۔ نماز عصر کے بعد گھر پہنچا تو فوراً طلبی ہوگئی۔ والد محترم رحمہ اللہ کے کمرہ میں حاضر ہوا تو خود کو ان کے زیرِ عتاب پایا۔ قادیانی لٹریچر کا کھلا پیکٹ ان کے ہاتھ میں تھا، اور قہر آلود نگاہیں میرے چہرے پر، میری خوف زدہ نگاہیں ان کے جوتے پر تھیں، جو کبھی کبھی ہمارے جسم اور دماغ کی چولیں ہلاتا رہتا تھا۔ اور اس کی اسی عادت سے ہم دہشت زدہ رہتے تھے۔ ان جوتوں کا وزن ہمیں پالش کرتے وقت بھی محسوس نہ ہوتا، اسے اٹھا کر ادھر ادھر رکھتے وقت بھی محسوس نہ ہوتا۔ البتہ جب وہ اپنی عادت کا چسکا پورا کرنے کے لیے ہمارے سر، کندھوں اور پیٹھ پر اپنے بے رحم نقوش چھوڑتا تو اسوقت وہ بڑا بھاری معلوم ہوتا، پھر اس کا وزن ہماری کمر اور کندھوں کو کئی دن جھکائے رکھتا۔ اس وقت حافظ ارشاد احمد مرحوم (تھانیوالہ بازار گوجرانوالہ) پر بڑا غصہ آتا کہ وہ اباجی کو اتنے بھاری جوتے کیوں بنا کے دیتا ہے۔

میں حیران وپریشان کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ میں نے تو یہ واردات انتہائی خفیہ وسیکرٹ طریقہ پر کی تھی۔ آخر اس کا رزلٹ (پیکٹ) والد محترم تک کیسے پہنچا۔ بعد میں والدہ مرحومہ کے ذریعہ اس بات کا انکشاف ہوا کہ والد محترم رحمہ اللہ کو لکھنے کے لیے ہولڈر کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے بستہ کھولا گیا تو پیکٹ بھی آزاد ہوگیا۔ اور سارا بھید کھل گیا۔ اس وقت یاد آیا کہ والد محترم کبھی کبھی بڑے غیر محسوس انداز میں ہمارے بستوں کی تلاشی لیا کرتے تھے......کبھی قلم وہولڈر کی آڑ میں......کبھی دوات اور سیاہی کی تلاش میں......اور کبھی ہوم ورک چیک کرنے کے بہانے......شاید یہ بھی ہماری تربیت ہی کا ایک حصہ تھا......عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ احساس پختہ ہوتا چلا گیا کہ والد محترم رحمہ اللہ کے اس انداز تربیت اور خفیہ وکڑی نگرانی نے ہمیں ان گنت شر ورفتن سے بحمد اللہ تعالیٰ بچائے رکھا۔

والد محترم رحمہ اللہ نے پیکٹ کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ میں نے ان کے مزید غصہ اور پٹائی سے بچنے کے لیے پورا قصہ بیان کردیا۔ سارا قصہ سننے کے بعد ان کے چہرے پر یہ جان کر سکون آگیا کہ پیکٹ آج ہی آیا ہے، اور اسمیں موجود کوئی رسالہ ابھی تک پڑھا نہیں گیا۔ انکے چہرے پر سکون دیکھ کر میری بھی جان میں جان آئی۔ حکم دیا گیا اس پیکٹ کو میری الماری میں رکھ دو، میں نے وہ اٹھا کر ان کی الماری میں رکھدیا، پھر دوسرا حکم ملا کہ درسِ نظامی مکمل کرنے سے پہلے ان رسائل کا مطالعہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ آرڈر سن کر میں سہما سہما سا کمرہ سے باہر نکل آیا۔

اس کے بعد کئی سال بیت گئے۔ اس واردات کا ہر نقش ذہن سے محو ہوگیا، 1982ء میں مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے درسِ نظامی تکمیل کی، اور اس پر بھی کچھ عرصہ گزر گیا۔ ایک دن پھر طلب کرلیا گیا، حاضر ہوا

تو پہلا سوال یہ تھا تم نے ''چراغِ کی روشنی'' کا مطالعہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یہ پوچھا گیا کہ تمہارے پاس قادیانیوں کے خلاف کون کون سی کتابیں موجود ہیں؟ عرض کیا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''ختم نبوت کامل''، مولانا عبدالغنی پٹیالوی رحمہ اللہ کی ''اسلام اور قادیانیت''، مولانا محمد رفیق دلاوری رحمہ اللہ کی ''رئیس قادیان'' اور پروفیسر محمد الیاس برنی مرحوم کی ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' وغیرہ کتب میرے پاس موجود ہیں، پوچھا گیا کہ ان میں سے کون سی کتب کا مطالعہ کر چکے ہو؟ میں نے عرض کیا بحمداللہ یہ تمام کتب مطالعہ کر چکا ہوں، پوری طرح اطمینان حاصل کر لینے کے بعد فرمایا الماری کھولو! میں نے الماری کھولی تو تقریباً 10 سال پرانا قادیانی کتب کا وہ پیکٹ سامنے موجود پایا، دس سال پرانا واقعہ نظروں میں گھوم گیا، فرمایا یہ لے جاؤ! اب تمہیں ان کا مطالعہ کرنے کی اجازت ہے، میں وہ پیکٹ لے کر چلا آیا، ان میں سے بعض رسائل پر حضرت شیخ کے قلمی نوٹس بھی موجود تھے جس سے اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ ان کا مطالعہ کر چکے ہیں، اس ایک واقعہ کے اندر کم از کم میرے لیے تربیت و اصلاح کے بے شمار سامان موجود تھے اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اصلاح و تربیت کے میدان میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی نگرانی و سختی کا کیا عالم تھا۔ ☆☆☆ ☆☆☆☆

آپ (حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ) اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بسا اوقات کسی مسئلہ میں میرے ذہن کے اندر ایسے ایسے دلائل آتے ہیں جن کو ذہن بھی قبول کرتا ہے، لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے اکابر کی تحریرات میں وہ نہیں ہیں تو میں بھی ان کو ترک کر دیتا ہوں۔ آپؒ کی یہ نصیحت تو ہر خاص و عام ہی جانتا ہے کہ ''اکابر کا دامن کبھی نہ چھوڑنا''۔ وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اکابر نے کوئی ایسا موضوع نہیں چھوڑا جس پر انہوں نے کچھ نہ کچھ لکھا نہ ہو۔ فرمایا کہ ایک مسئلہ میں میں بڑا متردد تھا، کہیں سے مل نہیں رہا تھا۔ اچانک حضرت تھانویؒ کے ملفوظات دیکھتے ہوئے مل گیا۔ اسی لیے فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں، ہمارے لیے ہمارے اکابر ہی کافی ہیں۔

(ماہنامہ الشریعہ، اشاعت خاص، مضمون مولانا فیاض خان سواتی)

وفیات

......شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ و رفیق حضرت مولانا سید اصلح الحسینی رحمہ اللہ [کراچی]

......استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم بہاول پور کے برادرِ صغیر حکیم عبید الرحمٰن مرحوم

......مولانا محمد طیب مزاری [بہاول پور] کے والد محترم ......مولانا محمد راشد [وہاڑی] کی والدہ محترمہ

......مولانا محمد عرفان [شیخوپورہ] کے والد ماجد

قارئین صفدر سے جملہ مرحومین اور ان کے پسماندگان کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

بیس رکعات تراویح، غیر مقلدین کی زبانی

نوٹ: بیس رکعات تراویح کے بارے بعض غیر مقلدین نے بہت غلو سے کام لیا اور اسے ''بدعت'' قرار دیا ہے، ان کی تردید کے لیے غیر مقلدین کے ہی اقوال پیش کیے جا رہے ہیں جنہوں نے بیس تراویح کو مستحب اور باعث اجر وثواب کہا ہے۔ یاد رہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک تراویح بیس رکعات ہی سنت مؤکدہ ہے۔

۱......غیر مقلدین کے استاذ الاساتذہ عبد الغفار محمدی صاحب لکھتے ہیں:

''جو بیس رکعت مستحب سمجھ کر پڑھتا ہے۔ اس سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں'' (۳۵۰ سوالات صفحہ ۵۰۰)

آگے لکھتے ہیں:

''بیس کو مستحب رہنے دیں... اور اگر وہ سعودیہ والے اس بیس کو مستحب سمجھ کر پڑھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ نوافل جتنی زیادہ پڑھی جائیں اتنا اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے''

۲......ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اگر کسی سے ہو سکے کہ باطمینان خاطر بیس پڑھے تو آٹھ سے زیادہ نوافل کے حکم میں ہو کر موجب ثواب ہوں گی'' (اہلحدیث کا مذہب مشمولہ رسائل ثنائیہ صفحہ ۸۹)

امرتسری صاحب سے سوال ہوا کہ:

''اہلحدیث کی مسجد میں حنفی لوگ بھی امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں احناف لوگ امام اہلحدیث کے پیچھے آٹھ رکعت تراویح ادا کر کے باقی بارہ رکعت اپنے مذہب کے مطابق کسی امام کے پیچھے اس مسجد میں باجماعت پڑھتے ہیں کیا اہلحدیث ان کو منع کر سکتے ہیں؟'' امرتسری صاحب نے اس کا یوں جواب دیا:

''اہلحدیث ان کو منع نہیں کر سکتے کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ تراویح کی رکعات مسنونہ آٹھ ہی ثابت ہیں تاہم باقی نوافل سے تو کم نہیں، خصوصاً اس حال میں کہ بہت سے ائمہ اسلام کا یہی مذہب ہے، بس بند کرنا گناہ ہے۔'' (فتاوٰی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۸۶)

۳......عبد اللہ روپڑی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اگر چاہیں تو بیس رکعت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں مگر آٹھ سے زائد محض نفلوں کی نیت کریں۔''

(فتاوٰی اہلحدیث جلد ۱ صفحہ ۶۴۳۔ فتاوٰی علمائے حدیث جلد ۶ صفحہ ۳۶۱)

روپڑی صاحب نے دوسرے مقام پر لکھا:

''غرض کسی پر کوئی اعتراض نہیں۔خواہ کوئی بیس پڑھے،خواہ چوبیس پڑھے...''

(اہلحدیث کے امتیازی مسائل صفحہ۱۰۲)

۴......غیر مقلدین کے فتاوٰی میں لکھا ہے:

''یوں نہ کریں کہ بیس پڑھنے والوں کے ساتھ آٹھ پڑھ کر فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرنے لگیں۔یہ داؤ اور دھوکہ ہوگا''۔(فتاوٰی علمائے حدیث جلد۶ صفحہ ۳۵۰)

یہ فتوی ان لوگوں کے لیے ایک تنبیہ ہے جو احناف کی مساجد میں صرف آٹھ پڑھ کر کوچ کر جاتے ہیں ان کا یہ عمل غیر مقلد مفتی کے بقول ''داؤ اور دھوکہ'' ہے۔

۵......محمد اسماعیل سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بعض آثار میں اور بعض ائمہ سے بھی بیس رکعت اور اس سے زیادہ کا بھی ذکر آیا ہے۔اگر کوئی بطور نوافل پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''(رسول اکرم کا طریقہ نماز صفحہ۱۰۱)

سلفی صاحب نے یوں بھی لکھا کہ:

''تہجد کی طرح تراویح میں بھی تعداد کی پابندی فرض نہیں،کم وبیش ہوجائیں تو بھی درست ہے''(حوالہ مذکورہ صفحہ ۹۸)

۶......غیر مقلدین کے مدرسہ رحمانیہ کے مدرسین نے ''محدث'' رسالہ میں آٹھ سے زائد (بیس) کو باعث اجر قرار دیا ہے۔چنانچہ فتاوی ستاریہ میں لکھا ہے کہ:

''علماء مدرسہ رحمانیہ کے مدرسین...رسالہ محدث میں زیادہ آٹھ پر درست لکھتے ہیں اور نوافل قرار دے کر باعث اجر بھی تسلیم کرتے ہیں۔''(فتاوٰی ستاریہ جلد۳ صفحہ۱۹)

۷......نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

ترجمہ: اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت نے اس نماز کی بیس رکعتیں قرار دیں ہیں اور ہر دو رکعت کے اندر قراءت کی متعین مقدار کو اچھا سمجھا ہے۔تو یہ عدد مخصوص اگرچہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے لیکن یہ رمضان المبارک میں ہے پھر اس کو بدعت کہنے کا کیا مطلب ہے؟''(بدور الاھلہ صفحہ۸۳)

نواب صاحب کی عبارت میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔

[۱]......اہلِ علم کی بڑی جماعت کے نزدیک تراویح کی تعداد بیس ہے۔غیر مقلدین کے نزدیک مقلد، جاہل ہوتا ہے اس لیے اہل علم سے مراد ان کے آل غیر مقلدیت ہی ہوں گے۔

[۲]......نواب صاحب نے بیس رکعات تراویح کو بدعت قرار دینے سے انکار کر دیا بلکہ دوسرے مقام پر بیس تراویح پڑھنے والے کو سنت کا عامل کہا ہے۔پس آں بزیادت عامل بسنت ہم باشد۔

(ھدایۃ السائل صفحہ۱۲۸)

۸......غیر مقلدین کے عالم اور شاعر حافظ محمد لکھوی صاحب نے اپنی پنجابی نظم میں بیس تراویح کو آٹھ پر ترجیح دیتے ہوئے کہا:

بعضے آٹھ رکعاتاں پڑھدے بعضے ویہ(۲۰) رکعاتاں

جتنی ودھ عبادت رب دی اتنیاں ہی ودھ براتاں

(محامد الاسلام صفحہ۱۰بحوالہ رکعات تراویح، ایک تحقیقی جائزہ صفحہ۱۸۰)

۹......غیر مقلدین کے مشہور بزرگ محبّ اللہ شاہ راشدی صاحب قیام حرمین کی یادیں قلمبند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بہر حال اکثر تو میں اکیلا آٹھ رکعت ہی پڑھتا تھا لیکن کبھی کبھی ائمہ کے پیچھے بیس رکعت بھی پڑھ لیا (کرتا)۔حافظ فتحی مرحوم بھی اسی خیال کے تھے۔ان کے ساتھ دوسرے پڑھنے والے تو آٹھ رکعات کے بعد بیٹھ جاتے یا باہر کسی طرح نکل جاتے لیکن حافظ صاحب مرحوم ہمیشہ ائمہ کے پیچھے بیس رکعات ہی پڑھتے رہے۔'' (مجلّہ بحر العلوم، محدث العصر نمبر بحوالہ ماہنامہ فقاہت مئی ۲۰۰۳ھ صفحہ۱۰)

۱۰......عنایت اللہ اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''تراویح تو ۸، ۲۰، ۴۰ تک پڑھی جاتی ہیں یہ امور اجتہادیہ ہیں ان میں اختلاف ہوتا رہتا ہے''
(جفا ن العجا یہ صفحہ۱۶۵)

۱۱......پروفیسر عبداللہ بہاولپوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جتنی کوئی پڑھ سکے پڑھ لے۔کوئی چار پڑھے یا آٹھ، کوئی بیس پڑھے یا چالیس۔اعتراض کی کوئی بات نہیں۔'' (رسائل بہاولپوری صفحہ۱۳۷)

۱۲......حکیم محمد صادق سیالکوٹی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جو شخص تراویح آٹھ رکعت سے زائد پڑھتا ہے اس کی زائد رکعات مستحب اور نفل ہوں گی۔''
(صلوۃ الرسول صفحہ۳۲۷)

۱۳......غلام رسول قلعوی صاحب غیر مقلد نے بیس رکعات تراویح کے اثبات میں بزبان فارسی ''رسالہ تراویح'' لکھا ہے۔جو حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے ترجمہ کے ساتھ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ سے مل جاتا ہے۔

۱۴......غیر مقلدین کی ایک کتاب میں لکھا ہے:

''کوئی بیس تراویح پڑھے، چالیس پڑھے، ساری رات پڑھتا رہے، آٹھ پڑھے۔ہمارے نزدیک سب ٹھیک ہے۔'' (تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی، ص:۵۸ بحوالہ اسلاف اہل حدیث کی رواداریاں صفحہ۱۸۶)

تنبیہ: بیس رکعات تراویح کو دیگر کئی غیر مقلدین نے کسی نہ کسی حیثیت میں تسلیم کیا ہے۔ان کی عبارات ہم نے اپنے دوسرے مضامین ''دورِ فاروقی میں بیس تراویح....صحابہ اور تابعین سے بیس تراویح کا ثبوت'' میں ذکر کر دی ہیں۔

☆......☆......☆......☆

حمزہ احسانی

ملفوظاتِ اکابر

الحمدللہ گاہے گاہے اکابرِ اہل سنت کی خدمت میں حاضری ہوتی رہتی ہے، جس قدر ممکن ہو سکے ان کے ارشادات وملفوظات کو قلم بند بھی کرتا رہتا ہوں، انہی میں سے چند ملفوظات پیشِ خدمت ہیں۔

حضرت مولانا میاں سراج احمد صاحب مدظلہم [دین پور شریف]

......کامیابی کامرانی اور فلاحِ دارین دینی تعلیم میں ہے، دوسری طرف تو تباہی وبربادی ہے، رازق اللہ کی ذات ہے، بس دینی تعلیم حاصل کرو۔

......خدا کی قسم ایمان سے کہہ رہا ہوں، علماء حق خود بھوکے ننگے رہ کر بھی غریب کے بیٹے (طلباء) کے لیے ایک ایک سے بھیک مانگتے ہیں۔ کوئی جائیداد کاروبار نہیں، بس ایک دھن خدا نے لگادی، دین کی ترقی کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔

......انسان سوچے تو عربی مدارس مسلمان کی روح ہیں، پاکستان کے آخری دورے میں ہر جگہ میرے مدنیؒ نے یہی فرمایا: اگر اپنا ایمان بچانا ہے، اپنی اولاد کا ایمان بچانا ہے تو دینی مدارس قائم کرو۔ واللہ العظیم خدا کی قسم میرا مدنی ہر جگہ یہی کہتا رہا۔ اور میں اپنے مدنی کے قدموں میں رہتا تھا۔

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم [ظاہر پیر]

......آپ کے تایا (مولانا زاہد الراشدی صاحب) کی طرف سے کسی کورس کا اشتہار دیکھا تھا، اس میں عمار ناصر کا نام بھی لکھا ہوا تھا کہ وہ بھی پڑھائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جب اس جیسے ملحد پڑھائیں گے تو طلباء کیا سیکھیں گے؟ لوگ آپ کے تایا کو اپنے جلسوں میں تو شوق سے بلاتے ہیں، اس کے بیانات ومضامین اخبارات میں بھی دیتے ہیں، لیکن کیا اس کو سمجھانے والا کوئی نہیں؟؟

شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم

......تصوف دنیا میں جنت کی نعمت ہے۔

......جب تک انسان خود کو خدا کی محبت میں فنا کر کے اپنے وجود کی نفی نہیں کر لیتا کامیابی ناممکن ہے۔

......معلومات کو علم نہیں کہتے، علم تو اللہ کی محبت میں مٹ جانے کا نام ہے۔

......اللہ کی مدد صرف اس کے ساتھ ہوتی ہے، جس کے دل میں اللہ کی محبت ہو۔

......ذکر کی مثال ایسے ہے جیسے آپ گاڑی میں بیٹھیں اور اے سی چلائیں، وہ اے سی تب صحیح فائدہ دے گا جب گاڑی کے دروازے اور شیشے بند ہوں، اسی طرح ذکر کا (خاطر خواہ) فائدہ تب ہوگا جب گناہوں کے دروازے اور شیشے بند ہوں گے۔ اگر ذکر بھی کرتے رہیں اور گناہ بھی تو ایسے ہی ہے جیسے گاڑی میں اے سی بھی چلتا رہے اور دروازہ یا شیشہ بھی کھلا رہے۔

......ابتدائی سالک کو ذکر کرتے وقت بہت زیادہ توجہ اور دھیان نہیں دینا چاہیے، نہ ہی بہت زیادہ مشقت کرے، ورنہ نفس اسے تنگ کرے گا، اور اِس (تصوف) طرف آنے ہی نہ دے گا۔ نفس طاقت ور ہو تو اسے یکدم شکست دینا مشکل ہے۔ پہلے اسے کمزور کرو پھر پچھاڑو۔

......نفس کے ساتھ مقابلہ آخری سانس تک جاری ہے۔ کبھی بھی اس سے مطمئن اور بے فکر مت ہو، ورنہ مار کھا جاؤ گے۔ ذکر کے ذریعے نفس مردہ نہیں ہوتا بلکہ کمزور ہو جاتا ہے، معصیت اور گناہ سے اسے پھر تقویت مل جاتی ہے۔

......ذکر کے ذریعے روح طاقت ور ہوتی ہے، روح طاقت ور ہو تو نفس اور شیطان کا مقابلہ قدرے آسان ہوتا ہے۔

......انسان کی اصلاح کے لیے چار اصول ہیں: [۱] قلت طعام، کم کھانا۔ [۲] قلت منام، کم سونا۔ [۳] قلت کلام، کم بولنا۔ [۴] قلت اختلاط مع الانام، دنیا داروں سے تعلقات، میل ملاپ کم رکھنا۔ لیکن کم عمر والے (تیس سال کی عمر تک) کم کھانے اور کم سونے پر عمل نہ کریں، ورنہ ساری زندگی جسمانی کمزوری رہے گی۔

......سننا سیکھو، کسی کی بات مت کاٹو، قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''کان'' کہا گیا ہے، (زبان نہیں کہا گیا)۔

......ایک دن کہیں جاتے ہوئے روڈ کے کنارے پر گاڑی کھڑی کرنی پڑی، میں خود گاڑی ہی میں بیٹھا تھا، دوسرا ساتھی دوکان سے کوئی چیز لینے گیا، اچانک ٹریفک بڑھ گئی اور رش ہو گیا، ایک نوجوان موٹر سائیکل سوار میرے قریب سے گزرا اور داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہے، میں نے اتر کر اُسے پکڑ لیا اور کہا: میری ذات کو کچھ کہتے تو کہتے، داڑھی کا نام کیوں لیا؟؟ (کوئی بد بخت شعائر اسلام کی توہین کرے تو اس پر خاموشی صبر و تحمل نہیں بے غیرتی اور بے حمیتی کے درجے میں آتی ہے۔ [خادم])

☆☆☆☆

مولانا ابو الحسن عباسی

صدیقۂ کائنات رضی اللہ عنہا

حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی والدہ کا نام ام رومان بنت عامر تھا، حضرت عائشہؓ نے بچپن میں اس وقت اسلام قبول کیا جب صرف ۱۸/حضرات اسلام کے دامن سے وابستہ ہو چکے تھے، آنحضرت ﷺ سے آپ کا نکاح ہجرت سے دو سال پہلے ہوا، اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھے برس تھی اور رخصتی ہجرت کے بعد غزوہ بدر کے فوراً بعد شوال المکرّم ۲ھ میں ہوئی، اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو برس تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے نام پر آپؓ کی کنیت اُم عبداللہ تجویز فرمائی۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن مظعونؓ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے آنحضرت ﷺ سے گزارش کی کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ مزید نکاح نہیں کریں گے؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کس سے؟'' حضرت خولہؓ نے فرمایا ''کنواری خواتین میں حضرت عائشہؓ ہیں اور بیوگان میں حضرت سودہ بنت زمعہؓ ہیں'' آنحضرت ﷺ نے دونوں سے نکاح کی بات کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی، چنانچہ حضرت خولہؓ کی وساطت سے آپ ﷺ نے دونوں سے نکاح فرمایا۔ (اسد الغابہ صفحہ ۸۸۰، جلد ۳)

حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے فقہ، طب اور شعر میں ام المؤمنین سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا اور اگر حضرت عائشہؓ میں اور کوئی فضیلت نہ بھی ہوتی جب بھی واقعہ افک میں جس انداز میں قرآن حکیم نے ان کی برأت بیان فرمائی جو قیامت تک تلاوت کی جائیگی، ان کی فضیلت اور علو مرتبہ کی ناقابلِ تردید دلیل ہے۔ (حوالہ بالا) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یاعائش هذا جبریل یقرء علیك السلام '' (اے عائشہ! یہ جبرئیل ہیں آپ کو سلام کہہ رہے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وعلیه السلام ورحمة الله (میری طرف سے بھی ان پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو)

(مسلم شریف صفحہ ۲۸۷، جلد ۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: ''فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام) (مسلم شریف ۲۸۷ جلد ۲) حضرت

عائشہ کو عورتوں پر ایسے برتری حاصل ہے جیسے ثرید کو بقیہ کھانوں پر۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اریتك فی المنام ثلث لیال جاء نی بك الملك فی سرقة من حریر یقول ھذا امرأتك. (مسلم شریف صفحہ ۲۸۵ جلد ۲) اے عائشہ آپ مجھے تین رات تک خواب میں دکھائی جاتی رہی ہیں، ایک فرشتہ سفید ریشمی کپڑے پر آپ (کی تصویر) کو لاتا تھا اور کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''آپ سب سے زیادہ کسے پسند فرماتے ہیں؟ فرمایا عائشہ کو۔ پوچھا مردوں میں آپ سب سے زیادہ کسے عزیز رکھتے ہیں؟ فرمایا عائشہ کے والد کو۔ (اسد الغابہ صفحہ ۸۸۲ جلد ۳) حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں: حضرت عائشہؓ افقہ الناس اور احسن الرأی خاتون تھیں (حوالہ بالا)

حضرت عائشہؓ کی بہت سی خصوصیات ہیں: (۱) رسول اللہ ﷺ نے آپ کے سوا کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی۔ (۲) آپ ان چھے، سات صحابہ میں سے ہیں جن سے بہت سی احادیث مروی ہیں آپؓ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) ہیں۔ (۳) آپ کی وسعتِ علمی صحابہ میں مسلّم تھی اور بڑے بڑے صحابہ مختلف فیہ مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (۴) بوقتِ وفات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر مبارک آپ کی گود میں تھا۔ (۵) اور آپ ہی کے گھر میں نبی ﷺ کو دفن کیا گیا۔ (۶) نبی ﷺ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوتی تھی جب کہ آپ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لحاف میں ہوتے تھے، باقی ازواج کو یہ شرف حاصل نہیں تھا۔ (۷) آپ کی برأت کے بارے میں آیتیں نازل ہوئیں جن کی تلاوت قیامت تک کی جاتی رہے گی۔ (۸) آپ حبیبۂ رسول اللہ ﷺ اور بنتِ خلیفۂ رسول ﷺ ہیں۔ (۹) ایک سفر میں آپ کا ہار گم ہو گیا تو نبی ﷺ مع اپنی افواج کے ہار تلاش کرنے کے لیے ٹھہر گئے، اس اثنا میں صبح کی نماز کا وقت ہوا اور اس مقام پر پانی نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے جوازِ تیمّم کے بارے میں آیتیں نازل فرمائیں۔ تو تیمّم کا نزول آپ کی برکات میں سے ایک برکت ہے کل امتِ محمدیہ کے لیے۔ (۱۰) شریعتِ محمدیہ میں عورت کے بلوغ کی کم سے کم مدت ۹ سال ہے کیونکہ حضرت عائشہ نو سال کی عمر میں بالغہ ہوئی تھیں۔ (۱۱) حنفی مذہب میں زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل دو سال ہے۔ اور اس قول کا مدار حضرت عائشہ کی یہ حدیث ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ ہرگز نہیں رہ سکتا۔

آپ کی وفات منگل کی رات کو ۱۸ رمضان ۵۷ھ میں ہوئی و قیل سنة ثمانی و خمسین۔ نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

(مقدمہ شرح بیضاوی للشیخ موسیٰ روحانی بازی صفحہ ۱۲۳، جلد ۱)

آپ کی قبر میں پانچ حضرات اُترے (۱) حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ (۲) حضرت عروہ بن زبیرؓ (۳) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ (۴) حضرت عبداللہ بن محمد بن ابی بکرؓ (۵) حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (اسد الغابہ صفحہ ۸۸۳، جلد ۳)

آخر میں تفسیر روح المعانی کے حوالہ سے ایک ایمان افروز اقتباس ملاحظہ ہو، علامہ محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں:

''قرآن میں ''وقرن فی بیوتکن''میں بیوت (گھروں) کی نسبت جوازواج مطہرات کی طرف کی گئی ہے اس سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات کے حجرے اُن کی مِلک تھے، حافظ غلام محمد الاسلمیؒ نے اپنی کتاب "التحفة الاثنی عشریه'' میں اس کی صراحت بھی کی ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ: ازواج مطہرات میں جو جس حجرہ میں رہائش پذیر تھیں، آنحضرت ﷺ نے وہ حجرہ اسی زوجہ مطہرہ کو ہی عطیہ کر دیا اور آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بھی ہر زوجہ مطہرہ کو اپنے حجرہ میں تصرف کرنے کا مکمل اختیار تھا۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ: جو شخص اپنی بیوی کے لئے کوئی گھر بنائے اور بیوی کو اس کا قبضہ بھی دے دے تو یہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس کو ہبہ کر دیا ہو اور اسی کے سپرد کر دیا ہو۔'' (اس طرح حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ روضہ اطہر کی مالکہ ٹھہرتی ہیں اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔)

حضرت عائشہؓ کے روضہ مبارکہ کی مالکہ ہونے کی ایک اور دلیل بھی ہے، وہ یہ کہ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنی شہادت کے قریب روضۂ اقدس میں دفن ہونے کے لئے حضرت عائشہؓ سے اجازت مانگی تھی اور یہ سب کچھ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہوا تھا اور حضرت علی المرتضیٰؓ سمیت کسی صحابی نے بھی کوئی نکیر نہیں فرمائی تھی (معلوم ہوا کہ روضہ مبارکہ حضرت عائشہؓ کی ملک تھا ورنہ ان سے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہ ہوتی) اسی طرح اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب میں یہ بھی موجود ہے کہ حضرت سیدنا حسنؓ نے بھی حضرت عائشہؓ سے روضہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت طلب کی تھی (یہ روایت ''الفصول المهمه فی معرفة الائمه'' اور دیگر کتب میں موجود ہے) اگر حجرہ مبارکہ حدیث **نحن معاشر الانبياء لا نورث** (انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی) کی رو سے بیت المال کے لئے ہوتا تو حضرت حسنؓ مروان سے اجازت طلب کرتے کیونکہ اس وقت مدینہ منورہ کا گورنر وہی تھا، اور اگر (اہل تشیع کے عقیدہ کے مطابق) حجرہ مبارکہ میں وراثت جاری ہوئی تھی تو حضرت حسنؓ باقی ازواج مطہرات سے بھی اجازت مانگتے، جب حضرت حسنؓ نے صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ہی اجازت مانگی تھی تو معلوم ہوا کہ حجرہ مبارکہ حضرت عائشہؓ کی ہی ملک تھا۔

(روح المعانی صفحہ ۶، ۷ جلد ۱۲)

رضی الله تعالیٰ عنها.



مفتی رب نواز حفظہ اللہ

خدماتِ البانی، غیر مقلدین کی زبانی

حدیث کے ردوقبول میں من مانیاں:

زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ البانی صاحب کسی طبقاتی تقسیم مدلسین کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ اپنی مرضی کے بعض مدلسین کی معنعن روایات کو صحیح اور مرضی کے خلاف بعض مدلسین (یا ابریاء من التدلیس کی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا کوئی اُصول یا قاعدہ نہیں تھا۔'' (علمی مقالات جلد۳ صفحہ ۳۱۷)

ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد، البانی کے متعلق لکھتے ہیں:

'' تصحیح وتضعیف کا اصول بھی ان کے نزدیک من مانا تھا کوئی مسلمہ اصول نہیں تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کسی حدیث کو ایک جگہ ضعیف قرار دیا تو دوسری جگہ اس کی تصحیح کردی کسی جگہ کسی راوی کو ثقہ قرار دیا تو دوسری جگہ ضعیف اور اس کی بے شمار مثالیں ان کی تحریروں میں مل سکتی ہیں'' (مقالاتِ شاغف صفحہ ۲۶۷)

سنن اربعہ پر طبع آزمائی:

علامہ البانی نے سنن اربعہ کے دو دو حصے کردیئے جو صحیح نسائی۔ ضعیف نسائی، صحیح ترمذی، ضعیف ترمذی۔ صحیح ابوداود، ضعیف ابوداوداور صحیح ابن ماجہ، ضعیف ابن ماجہ کے نام سے شائع ہیں۔ ضعاف کے مجموعہ میں ایک اندازہ کے مطابق قریباً تین ہزار حدیثوں کو شامل کیا۔ البانی کی اس جسارت پر خود ان کے اپنے بھی کچھ نہ کچھ لکھنے پہ مجبور ہو گئے۔ ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد نے لکھا: ''شیخ البانی نے بخاری ومسلم کی بعض روایتوں کو سلسلہ ضعیفہ اور موضوعہ میں درج کردیا۔ بقیہ کتب ستہ میں سے ۴ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے صحیح اور ضعیف کے نام سے اسناد حذف کر کے شائع کرادیا۔ جہلاء نے سمجھ لیا کہ آج تک اس ٹکر کا کوئی محدث گزرا ہی نہیں، لہٰذا کسی حدیث کو صحیح ماننے کے لیے شیخ البانی کی تصحیح لازمی ہے''۔ (مقالاتِ شاغف ص ۳۶۳)

تقویۃ الایمان اوڈانوہ ماموں کانجن کے بزرگ اور غیر مقلدین کے ''فضیلہ الشیخ حضرت مولانا حافظ'' محمد امین صاحب لکھتے ہیں: '' کچھ عرصہ سے اہل حدیث یا محدثین کے نام پر ایک نیا اندازِ فکر متعارف کروایا جا رہا ہے۔ جسے اہل ظاہر یا خوارج کا اندازِ فکر کہا جا سکتا ہے۔ جس میں اعتدال نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ انتہا پسندانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ تشدد کو پسندیدہ خیال کیا جاتا ہے بعض متشددین محدثین کے اصول جنہیں جمہور محدثین

نے ترک کر دیا تھا دوبارہ نافذ کیے جا رہے ہیں معتبر احادیث کو سند میں معمولی ضعف کی وجہ سے غیر معتبر قرار دے کر ان پر عمل کرنے کو ناجائز قرار دیا جا رہا ہے جب کہ جمہور محدثین نے ان احادیث کو شواہد اور قبولیت کی وجہ سے حسن قرار دے کر قابلِ عمل قرار دیا تھا صحاح ستہ میں اس قسم کی احادیث کی عظیم مقدار کو با قاعدہ ''ضعاف'' کے عنوان سے الگ جمع کر دیا گیا ہے اور عوام الناس کو ان پر عمل نہ کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے، حالانکہ اصولِ حدیث کے لحاظ سے متاخر محدثین کی تصحیح وتضعیف معتبر نہیں۔'' (نماز کے بعد دعائے اجتماعی صفحہ ۱۲۰)

مسلمہ کتب حدیث پر خنجر آزمائی:

ابوالاشبال شاغف بہاری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''کاش البانی صاحب... مسلمہ کتب احادیث پر نقد وتنقید سے پرہیز کرتے تو ان کے حق میں بھی اچھا ہوتا اور دوسروں کے حق میں بھی لیکن تنقید کا تیر کمان سے نکل چکا ہے جس نے دوسروں کو تو زخمی کیا ہی خود تیر چلانے والا بھی زخمی ہوا'' (مقالاتِ شاغف صفحہ ۳۲۲)

مردود قاعدہ کا سہارا:

ایک روایت کا مفہوم ہے کہ سجدوں سے فراغت پر جب رکعت کے لیے اٹھیں تو آٹا گوندھنے کی طرح مٹھی بند کر کے اٹھیں۔ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد اس روایت کی تحقیق میں لکھتے ہیں۔

''ابواسحاق الحربی کی روایت مذکورہ کا ایک راوی ہیثم بن عمران الدمشقی ہے۔ جسے ابن حبان کے علاوہ کسی نے بھی ثقہ قرار نہیں دیا۔ لہٰذا یہ راوی مجہول الحال ہے حدیث کے عام طالب عالموں کو بھی معلوم ہے کہ مجہول الحال کی منفرد روایت ضعیف ہوتی ہے... ہیثم بن عمران کی توثیق ثابت کرنے کے لیے شیخ البانی رحمہ اللہ نے جو قاعدہ بنایا ہے وہ کئی وجہ سے مردود ہے مثلاً:......'' (توضیح الاحکام جلد ۱ صفحہ ۳۸۲)

ثقہ راویوں کو مجہول قرار دینا:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: ''شیخ البانی پر تعجب ہے کہ عجلی، ابن حبان، ابن خزیمہ، ترمذی، اور حاکم کی توثیق کے باوجود مرجانہ مذکورہ کو مجہولہ سمجھتے تھے۔'' (توضیح الاحکام جلد ۱ صفحہ ۲۶۲)

علی زئی صاحب، ابن ماجہ کی ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس روایت کے راوی موثر بن عفازہ ثقہ تھے، انہیں امام عجلی، حافظ ابن حبان اور حاکم وغیرھم نے ثقہ قرار دیا ہے، لہٰذا شیخ البانی رحمہ اللہ کا انہیں مجہول قرار دینا غلط ہے۔'' (علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۴۴۰)

حدیث پر ہاتھ صاف:

زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ محمد ناصرالدین الالبانی رحمہ اللہ کا تدلیس کے بارے میں عجیب وغریب موقف تھا... بلکہ شیخ البانی نے ابوقلابہ کی معنعن حدیث پر ہاتھ صاف کرلیا۔ البانی نے کہا: اس کی سند ابوقلابہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور وہ تدلیس کے ساتھ مذکور ہے...'' (علمی مقالات جلد۳ صفحہ ۳۱۷)

افسانے کی بنیاد پر جرح:

ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''گویا البانی صاحب نے جو اختلاط کی بنیاد پر اس کی اسناد کو ضعیف قرار دیا وہ صرف افسانوی حد تک ہے۔ اس کی کوئی صحیح بنیاد نہیں، لہٰذا ان کی تقلید کرنے والے بے عقل ثابت ہوئے'' (مقالاتِ شاغف صفحہ ۲۶۹)

تنبیہ: البانی کی تقلید کرنے والے نام نہاد اہلحدیث ہیں جیسا کہ خود شاغف صاحب کی زبانی آگے آرہا ہے۔

بغیر تحقیق کے جرح:

شاغف صاحب ہی لکھتے ہیں:

''شیخ البانی نے محض اپنے سے قبل والے بعض علماء کی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے اس حدیث کو مدرج قرار دے کر سلسلہ احادیث ضعیفہ وموضوعہ میں لکھ دیا۔ تحقیق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔'' (مقالات شاغف صفحہ ۳۶۵)

شاغف صاحب یہ بتا دیتے تو اچھا ہوتا کہ بغیر تحقیق کے محض پہلوں پر اعتماد کرتے ہوئے جرح کرنا تقلید کہلائے گا یا کچھ اور؟

البانی کی بات کو ''حرف آخر'' کا درجہ دینا:

غیر مقلدین کے اعتراف کے مطابق البانی حدیث میں من مانیاں کرتے ہیں۔ مگر افسوس ان کے حلقہ کے لوگ ان کی بات کو ''حرف آخر'' قرار دیتے ہوئے ان کی تقلید کرتے ہیں۔

چنانچہ شاغف صاحب لکھتے ہیں:

''آج کل جماعت اہلحدیث کی ایک ایسی کھیپ تیار ہو چکی ہے جو ناصرالدین البانی کی تقلید کو واجب سمجھتی ہے اور جو کچھ ناصرالدین البانی نے لکھ دیا ان کے نزدیک حرفِ آخر کی حیثیت سے من وعن قابلِ قبول ہے۔'' (مقالات شاغف صفحہ ۲۶۶)

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ ابن باز کا یہ قول اہلِ حدیث اور شیخ البانی کے اندھادھند مؤیدین کے خلاف پیش کیا گیا۔'' (علمی مقالات جلد۴ صفحہ ۲۴۴)

اطلاع: اس موضوع پر ہم نے آئندہ کچھ اور بھی لکھنا ہے، وباللہ التوفیق۔ ☆☆☆☆

حافظ محمد عدیل عمران

قادیانیوں سے معاشرتی بائیکاٹ کیوں؟؟

اسلامی معاشرہ ایک مخصوص عقیدے اور نظریے کی بنیاد پر قائم ہے جو اس کے تمام اداروں، احکام، قوانین اور اخلاقی اقدار کا مصدر ومنبع ہے، یہ نظریۂ اسلام ہے اور اسی پر مبنی ہونے کے باعث یہ معاشرہ ''اسلامی معاشرہ'' کہلانے کا مستحق بنتا ہے۔ اور اسلامی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے جو اسلام کو اپنے منہجِ حیات، دستورِ حکومت، قانون سازی اور زندگی کے تمام شعبوں اور انفرادی واجتماعی، مقامی وبین الاقوامی تعلقات کے سرچشمے کے طور پر اپنا چکا ہو۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی معاشرہ اپنے اندر بسنے والے دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے تمام عناصر کا قلع قمع کرنے کے درپے ہوتا ہے، بلکہ اسلام دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو ان کے حقوق دیتا ہے، مگر قادیانی واہل تشیع ایسے مذہب ہیں جو نام تو اسلام کا استعمال کرتے ہیں لیکن درحقیقت دونوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور دونوں زندیق ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ کفر کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے ایک ''کفر زندقہ'' ہے، اور جو لوگ ایسا کفر اختیار کرتے ہیں انہیں ''زندیق'' کہا جاتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں زندیق ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو دعویٰ تو اسلام کا کرتا ہو لیکن در پردہ کفریہ عقائد رکھتا ہو اور اپنے کفر کو اسلام کے پردے میں چھپانے کی کوشش کرتا ہو۔ چنانچہ فیض الباری ج:۱، ص:۷۱ میں لکھا ہے کہ:"وان اعترف به ظاهرا أو باطنًا لكنه يفسر بعض ماثبت بالدين ضرورة بخلاف مافسره الصحابة والتابعون، وأجمعت عليه الأمة فهو "زنديق"." (عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مدلل، ص۶۰) اور اسلام کے پردے میں کفر چھپانے کی دو صورتیں ہیں:

[۱] اپنے کفریہ عقائد کو مخفی رکھے اور کسی کو ان عقائد کی ہوا ہی نہ لگنے دے۔ لوگ اسے مسلمان ہی سمجھیں لیکن حقیقت میں کفریہ عقائد رکھتا ہو۔ (جن کا اظہار کبھی بے ساختہ ہو جاتا ہے۔) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایسے لوگوں کو ''منافق'' کہا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کے بعد اگر کسی کا نفاق ظاہر ہو جائے تو اسے بھی ''زندیق'' شمار کیا جائے گا۔ [۲] کفر چھپانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے عقائد کا اظہار تو برملا کرے، لیکن ان پر لیبل اسلام کا چپکائے، کتاب وسنت کی غلط تاویلات کرکے اپنے عقائد باطلہ کو برحق

ثابت کرنے کی کوشش کرے اور ایسی ملمع سازی کرے کہ عام لوگ ان عقائد کو ہی اسلامی عقائد سمجھنے لگیں۔

زندیق کا حکم:

تمام ائمہ کے نزدیک زندیق کا حکم وہی ہے جو ''مرتد'' کا ہے۔ چنانچہ

۱......زندیق، مرتد کی طرح واجب القتل ہے۔ (حکومت وقت پر اس کا قتل لازم ہے۔)

۲......اس سے رشتہ، ناتا ناجائز اور باطل ہے۔

۳......اس کا ذبیحہ حرام اور مردار ہے۔

بلکہ ایک اعتبار سے زندیق کا کفر، مرتد سے بھی بدتر ہے، کیونکہ باجماع امت مرتد کو توبہ کی تلقین کی جائے گی، اگر وہ توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہو جائے تو اس سے قتل کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ لیکن زندیق کی توبہ میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ اور مشہور روایت میں امام احمدؒ بھی فرماتے ہیں کہ: اگر وہ سچے دل سے تائب ہو جائے تو اس سے قتل ساقط ہو جائے گا۔ لیکن امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ: زندیق کی توبہ قبول نہیں، یعنی وہ توبہ کا اظہار کرے تب بھی اس سے قتل کی سزا ساقط نہیں ہوگی۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

فتاویٰ قاضی خان، بحر الرائق اور درمختار وغیرہ میں یہ تفصیل ذکر کی گئی ہے کہ اگر زندیق از خود آ کر توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور قتل کی سزا اس سے ساقط ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ واجب القتل ہے۔ [تحفۂ قادیانیت، ص: ۵۵۶/۵۵۵]

یہ تفصیل بتانے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ قادیانی و اہل تشیع اصل میں ''زندیق'' ہیں، اور پاکستان میں ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔ (قادیانیوں کو تو ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، جبکہ اہل تشیع کے لیے حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ نے کوشش کی، مگر اس وقت کی حکومت نے چیف جسٹس آف پاکستان سید سجاد علی شاہ کو برطرف کر دیا۔ مجلّہ صفدر کی وساطت سے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ جلد از جلد شیعہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوا کر سنی شیعہ مسئلہ حل کرائے۔) اگر یہ لوگ سرکاری فیصلہ کے باوجود اپنے آپ کو ''غیر مسلم'' تسلیم نہیں کرتے تو پھر ان کا وہی علاج ہے جو خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتدین کا کیا تھا۔

معاشرتی بائیکاٹ:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دو آدمی مسیلمہ کذاب کا خط لے کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، خط کا عنوان تھا: من مسیلمة رسول الله إلى محمد

رسول الله ۔خط کی عبارت تھی:”إني أشركتُ معك في الأمر“۔ترجمہ:اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد کے نام۔ بے شک مجھے آپ کے (ساتھ نبوت کے) معاملہ میں شریک کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کران نمائندوں سے کہا:”أتشهد أني رسول الله؟“ کیاتم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے اقرار کرتے ہوئے کہا: جی! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:”أتشهد أن مسيلمة رسول الله؟“ کیاتم مسیلمہ کوبھی اللہ کا رسول مانتے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا: ”نعم! نشهد أن مسيلمة رسول الله“ جی ہاں! ہم اسے بھی اللہ کا رسول مانتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جواب میں ایک جملہ ارشاد فرمایا، وہی ہمارے دینی ردعمل اور دینی فیصلے کی بنیاد ہے، فرمایا:”لولا أن الرسل لاتقتل، لضربت أعناقكما۔“ اگر سفیروں کو قتل نہ کرنے کا اصول نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن اڑا دیتا۔ مجھے اللہ کا رسول ماننے کے بعد کسی اور کو اللہ کا رسول ماننا ارتداد ہے اور ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اور اس سزا میں صرف ان لوگوں کا قاصد ہونا آڑے آیا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مرتد وزندیق کی شرعی سزا قتل ہے، تو ایسے لوگوں کے ساتھ معاشرتی معاملات کرنا اور میل جول رکھنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ قرآن مجید میں ہے: جب تم سنو کہ اللہ کی آیات سے کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مزاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھو۔ [سورۃ النساء، آیت ۱۴۰] ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’تم خدا اور آخرت کے ماننے والوں کو ہرگز نہ پاؤ گے کہ اللہ اور رسول کے مخالفین کے ساتھ دوستی رکھتے ہوں، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں اور قبیلہ برادری ہو۔‘‘ [مجادلہ،۲۲]

قبیلہ عرینہ وغیرہ کے آٹھ نو (۹/۸) افراد جو مرتد ہو گئے تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو گرفتار کروا کے، ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں، ان کو مدینہ کے کالے پتھروں پہ ڈال دیا گیا کہ وہ بھوکے پیاسے تڑپ تڑپ کر مر جائیں، نہ ان کو پانی دیا گیا اور نہ کھانا۔

تین صحابی جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، اللہ ورسول نے تمام مسلم معاشرہ کا ان سے بائیکاٹ کروا دیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔

قدریہ ایک مشہور گمراہ فرقہ ہے، مسند امام احمد اور ابوداؤد میں ان کے متعلق فرمانِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ: ”القدرية مجوس هذه الأمة،إن مرضوا فلاتعدوهم وإن ماتوا فلاتشهدوهم“ یعنی فرقہ قدریہ کے لوگ اس امت کے مجوسی ہوں گے، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت مت کرنا اور اگر

مرجائیں تو ان کے جنازہ پہ نہ جانا۔

اسی طرح ہر بدعتی وگمراہ فرقے کا حکم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو کھلم کھلا کافر نہیں کہا گیا۔ تو جو صرف عام کافر ہی نہیں بلکہ مرتد وزندیق بھی ہیں ان کے متعلق رواداری برتنے کی گنجائش کیونکر ہوسکتی ہے؟ چنانچہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مرزائیوں اور شیعوں سے مکمل طور پر معاشی اور معاملاتی بائیکاٹ کرے۔ البتہ جن کا کلمہ ہی الگ ہو جیسا کہ اہل تشیع، وہ اسلام کے اس حکم کے تحت آتے ہی نہیں۔ وہ قادیانیوں سے اور قادیانی ان سے بائیکاٹ کریں نہ کریں اُن کی مرضی۔

نیز قادیانی تاجر اپنی آمدنی کا دس فیصد حصہ مرزائیت کی تبلیغ کے لیے وقف کرتے ہیں، لہٰذا اِس لیے بھی ان سے ہر قسم کا لین دین حرام اور ناجائز ہے۔ ان کی مصنوعات ''شیزان'' وغیرہ کا بائیکاٹ شرعاً واجب بھی ہے اور ایمانی غیرت کا تقاضہ بھی۔

بائیکاٹ کی وجہ:

قادیانی وشیعہ وغیرہ جو اسلام کا کلمہ پڑھ کر اسلام کا اظہار کرتے ہیں یہ مسلم معاشرے کے لیے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ کیونکہ لوگ ان کی ملمع سازیوں اور ظاہری کلمہ گوئی سے متاثر ہوکر ان کے باطل نظریات سے متاثر ہوجاتے ہیں، ان کے کفریہ عقائد سے نفرت نہیں کرتے اور ان کو مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ سمجھنے لگتے ہیں، اس لیے ایسے لوگوں کے ساتھ معاشرتی مقاطعہ اور معاملاتی بائیکاٹ اسلام اور اہل اسلام کے ایمان کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔ اور عوام الناس جو ان کے باطل نظریات سے بے خبر ہوتے ہیں ان کے سامنے ان کے کفر کو کھول کر بیان کرنا اور حقیقت کو طشت از بام کرنا بھی علماء کے فرائض میں داخل ہے۔ جو عام لوگ ان کے کفریہ نظریات سے آگاہی کے باوجود ان کے ساتھ تعلقات رکھتے ہیں تو ان کو اولاً سمجھایا جائے، اگر مان لیں تو ٹھیک ورنہ ان کا بھی بائیکاٹ کیا جائے۔

قادیانی اور سوشل بائیکاٹ:

قادیانی قیادت نے اپنے پیروکاروں سے مسلمانوں کا مذہبی ومعاملاتی دونوں قسم کا بائیکاٹ کرایا ہے، مرزائیوں کے لیے غیر مرزائی کے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اہل تشیع کو بھی عام حالات میں منع کیا گیا ہے، ضرورت کے وقت تقیہ کرکے اور نماز کے آخر میں اہل اسنت کے اماموں پہ لعنت کا حکم دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان حتیٰ کہ شیرخوار بچے کا جنازہ پڑھنا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے اور ضرورت کے وقت تقیہ کرکے آخری تکبیر کے بعد میت کے لیے بددعا کا حکم دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ رشتہ کرنا ممنوع ہے۔ اور معاملاتی بائیکاٹ میں یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ کوئی مرزائی کسی غیر مرزائی سے سودا وغیرہ نہ خریدے۔

چنانچہ ناظم امورِ عامہ نے قادیان کے ہر قادیانی دوکاندار سے یہ دستخطی عہد نامہ لکھوایا تھا کہ:

''میں اقرار کرتا ہوں کہ ہر قسم کی اشیاء کی خریداری صرف اپنے بھائیوں (مرزائیوں) ہی سے کروں گا، اگر میں، میری بیوی، میرا بچہ یا میرا ملازم یا میرا کوئی رشتہ دار اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا تو جو جرمانہ خلیفۃ المسیح تجویز کرے گا میں ادا کروں گا۔ میں عہد کرتا ہوں کہ میں کوئی چیز غیر احمدی سے نہ خریدوں گا نہ خفیہ نہ اعلانیہ۔ جو حکم ناظم امورِ عامہ دیں گے اس کی بلا چوں چرا تعمیل کروں گا، اور ہر ہدایت کی پابندی کروں گا۔ اگر میں کسی حکم کی خلاف ورزی کروں تو جو جرمانہ بھی تجویز ہوگا میں ادا کروں گا۔

میں عہد کرتا ہوں کہ میرا جو جھگڑا کسی احمدی (مرزائی) سے ہوگا اس کے لیے امام جماعت کا فیصلہ میرے لیے حجت ہوگا۔ ہر قسم کا سودا مرزائیوں سے ہی خریدوں گا، معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں بیس روپے سے لیکر سو روپے تک جرمانہ ادا کروں گا۔ اور بیس روپیہ پیشگی جمع کراؤں گا، اگر میرا جمع شدہ روپیہ ضبط ہو جائے تو مجھے اس کی واپسی کا حق نہ ہوگا...... نیز میں عہد کرتا ہوں کہ مرزائیوں کی مخالف مجالس میں شریک نہ ہوں گا۔'' [رسالہ ربوہ کا مذہبی آمر ملخص ۱۴۹/۱۵۰]

لمحۂ فکریہ!

اہل ایمان ذرا توجہ فرمائیں تو مرزائیوں کو اب بھی ان امورِ کا عامل پائیں گے، لہٰذا اس لیے بھی غیرت ایمانی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھی ان کے ساتھ وہی برتاؤ کریں۔ اور جبکہ ہمیں یہی حکم خداوند کائنات اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی ملا ہے۔ اور یہ عین انصاف ہے، بے مروتی اور خلاف اخلاق حسنہ ہرگز نہیں۔

(نوٹ اس مضمون کے لیے ''قصرِ مرزائیت میں ایک اور شگاف'' اور ''عدالتی فیصلہ'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔)

☆......☆......☆......☆

درخواستِ دعا

وارثِ مسندِ مدنیؒ، باغبانِ گلشنِ مظہریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سومرو دامت برکاتہم نے اپنے گزشتہ دورۂ پنجاب اور خیبر پختون خواہ کے دوران چکوال کے موضع تھرپال میں ۲/رجب ۱۴۳۵ھ......۲/مئی ۲۰۱۴ء بروز جمعہ کو صبح کے وقت ''مسجد سید حسین احمد مدنی'' کا سنگِ بنیاد رکھا۔ احباب سے اس منصوبے کی قبولیت کے لیے خاص دعا کی درخواست ہے۔

مرسلہ جناب نثار معاویہ صاحب چکوال

احسن خدامی

مشاہدات بجواب شواہدات

......قسط نمبر ۴......

پسپائی......مجبوری یا کارنامہ:

ہار اور جیت زندگی کے کھیل کے دو اہم پہیے ہیں۔ ہار، جیت کا زینہ ہوتی ہے اور جیت، ہار کی رہین منت۔ جو انسان زندگی کی دوڑ میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے کو آگے بڑھتا ہے اسے فتح کے راستے میں کبھی کبھی بہت سی شکستوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ بہادر اور حوصلہ مند انسان کبھی اپنی شکست کو گلے کا ہار نہیں بناتے بلکہ وہ شکست کے کھنڈرات پر ہی فتح کے تاج محل تعمیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حوصلوں اور ولولوں کی شکست حقیقی شکست ہوتی ہے، اگر حوصلے بلند اور جذبے جوان ہوں تو میدان جنگ کی فتح اور شکست کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ ہارے ہوئے شخص کو حوصلہ دینا اور اس کی ہار پر اسے مطعون نہ کرنا شرفِ انسانیت کا تقاضا ضرور ہے لیکن ہار کو ہی آئیڈیل بنا کر اسے بہت بڑا کارنامہ قرار دینا؟ اس کو جرأت و بہادری کا اعلیٰ نمونہ بتانا؟ اور پھر جیتے ہوئے لوگوں کو ''بزدلی'' کا طعنہ دیتے ہوئے انہیں بھی ہار جانے پر آمادہ کرنا؟ اسے کیا کہیں گے آپ؟ نادانی؟ بے وقوفی؟ یا اپنی بزدلی کو چھپانے کی ایک احمقانہ کوشش؟ کچھ ایسا ہی کام جناب عمار خان ناصر نے کیا ہے۔

امیر عبدالقادر الجزائری نے کئی سال کی مسلح جدوجہد کے بعد آخرکار دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال کر ہمیشہ کیلئے غلامی اور شکست کو قبول کیا، امیر کے اس اقدام کو اس کی مجبوری قرار دے کر معاملے کو ختم کیا جاسکتا تھا، لیکن جناب عمار خان ناصر تو ان کے شکست تسلیم کر کے ہتھیار ڈال دینے کو ہی ان کا عظیم الشان تاریخی کارنامہ قرار دیتے ہوئے دشمن کے سامنے تادمِ آخر ڈٹے رہنے کا عزم کر چکنے والے مجاہدین کو یہ تلقین کرنا چاہتے ہیں کہ وہ سب بھی امیر کی طرح پسپائی کا داغ اپنے سینوں پر سجا کر خداوندانِ یورپ و امریکہ سے جرأت و بہادری اور اصلی مجاہد ہونے کا تمغہ وصول کریں۔ آیئے جناب عمار خان ناصر کی زبانی سنتے ہیں کہ وہ اس امیر عبدالقادر کی شکست کی کہانی وطن عزیز کے غیرت مند مسلمانوں کو سنا کر انہیں کیا سبق پڑھانا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> امیر کی جدوجہد سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے جان و مال کو جنگ میں بے فائدہ ضائع کروانے اور ایک لاحاصل جدوجہد کو جاری رکھنے کو شرعی تقاضا نہیں سمجھتے۔ اور ان کے نزدیک کسی

غیر مسلم قابض کے خلاف جہاد کی ذمہ داری اسی وقت تک عائد ہوتی ہے جب تک اس کی کامیابی کیلئے درکار عملی اسباب و وسائل میسر اور امکانات موجود ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی جدوجہد کے آخری مرحلے میں جب یہ دیکھا کہ الجزائری قوم ان کا ساتھ چھوڑ کر فرانسیسی کیمپ کا حصہ بن چکی ہے اور خود ان کے ساتھ وابستہ ایک چھوٹا سا گروہ بھی مسلسل خطرے میں ہے تو انہوں نے کسی جھجک کے بغیر نہایت جرأت سے یہ فیصلہ کرلیا کہ الجزائر کی سرزمین پر فرانس کی حکمرانی خدا کی منشاء ہے اور اس کو تسلیم کر لینا ہی دانشمندی ہے۔ (ماہنامہ الشریعہ مئی ۲۰۱۳ء)

کاش کہ جناب عمار خان ناصر اس نکتے پر بھی کچھ روشنی ڈالتے کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے پاس کامیابی کے وسائل کتنے تھے؟ غزوۂ احد میں جب جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ باقی رہ جانے والے چند صحابہ بھی شدید خطرے میں تھے تو آپ ﷺ نے امیر عبدالقادر الجزائری کی طرح اپنے آپ کو کفار کے حوالے کیوں نہیں کیا؟ غزوۂ احزاب میں جب مدینہ کے اندر یہودی اور مدینہ کے باہر تمام عرب مٹھی بھر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کو تھے تو مسلمانوں کی کامیابی کے کون سے امکانات موجود تھے؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے بیک وقت سارے عرب بلکہ ساری دنیا سے نبرد آزما ہوتے وقت جناب عمار خان ناصر کی ان ''حکیمانہ'' باتوں کے مطابق فیصلے کیوں نہ فرمائے؟ حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر سلطان ٹیپوؒ تک، حضرت قعقاع بن عمروؓ سے لے کر سید احمد شہیدؒ تک، طارق بن زیادؒ سے لے کر ملا محمد عمر مجاہد تک، کتنے لوگ ہیں جنہیں عمار خان ناصر کی طرح عقل و دانش کا یہ مقام ملا؟ عمار خان ناصر ہمیں ان لوگوں سے برگشتہ کر کے شاید میر جعفر، میر صادق، غرناطہ کے ابوعبداللہ اور پاکستان کے پرویز مشرف کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں۔ افسوس صد افسوس! عمار خان ناصر کو اگر اس معاملے میں اپنے دادا امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کا طرزِ عمل پسند نہیں تھا تو کم از کم نیم ملا نیم مسٹر اقبال ہی سے راہنمائی لے لیتے جو عمار خان ناصر جیسے نام نہاد مسلمانوں کو مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی کہہ کر بہت کچھ سمجھا گئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ:

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، جناب عمار خان ناصر نے الجزائری کی حمایت کیلئے حضرت خالد بن ولیدؓ کے ایک واقعے سے بھی اپنا مطلب کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''سیدنا خالد بن ولیدؓ ایک جنگ میں پے در پے شکست سے دوچار ہونے کے بعد جب اپنے ساتھیوں کو بحفاظت میدان جنگ سے نکال کر واپس مدینہ منورہ لے آئے تو نبی ﷺ نے ان کے اس عمل کی تحسین فرمائی تھی۔'' (الشریعہ مئی ۲۰۱۳ء)

کیا حضرت خالد بن ولیدؓ نے دشمن کی اطاعت کا عہد کر کے اس کی غلامی بھی قبول فرمائی تھی؟ کیا

انہوں نے دشمن سے لاکھوں روپے سالانہ وظیفہ بھی وصول کرنا گوارہ فرمایا تھا؟ کیا انہوں نے کفار سے تمغے وصول کر کے سینے پر بھی سجائے تھے؟ مگر جناب عمار خان ناصر صاحب کو اس سے کیا؟ انہیں تو صرف امیر عبدالقادر الجزائری اور اس کے عمل کو شرفِ جواز بخشنا ہے اور بس، چاہے اس عمل میں ساری اسلامی تاریخ اور سیرت ہی کیوں نہ تہ و بالا ہو جائے ۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

جناب عمار خان ناصر نے یہ تو بتا دیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل کی تحسین فرمائی تھی، مگر اس تحسین کیلئے جناب رسول اللہ ﷺ نے جو جملے ارشاد فرمائے تھے، انہیں نقل کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے، ورنہ ان کے استدلال کا تانا بانا خود بخود ہی تار تار ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ''**بل انتم العکارون**'' (تم بھگوڑے نہیں بلکہ دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو) کہہ کر ان مسلمانوں کو دوبارہ جہاد کے لیے آمادہ فرمایا اور جناب عمار خان ناصر اس سے غلامی اور ہمیشہ کی ذلت و رسوائی قبول کرنے پر استدلال کر رہے ہیں۔ کیا فہم سلیم اسی چیز کا نام ہے؟

اکابر علمائے دیوبند:

اپنے استدلال کے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے جناب عمار خان ناصر نے اکابر علمائے دیوبند کو بھی امیر عبدالقادر الجزائری کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ہے۔ ہم لوگوں کو شاید عادت سی ہوگئی ہے کہ جن نظریات کو ہم اپناتے ہیں، جب تک اپنی پسندیدہ شخصیات کو کھینچ تان کر انہی نظریات کے پنجرے میں بند نہ کر دیں، ہمیں مزا نہیں آتا۔ لہٰذا اکابر علمائے دیوبند، جن کا خمیر ہی سرفروشی و بے باکی کی مٹی سے اٹھا تھا، انہیں بھی جناب عمار خان ناصر نے بزور امیر عبدالقادر کے ''اسوۂ حسنہ'' کے خانے میں فٹ کر دیا ہے اور افسوس کہ اس کارِ خیر میں جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب نے بھی بقدرِ استطاعت حصہ ڈال کر ثوابِ دارین حاصل کیا ہے۔ جناب عمار خان ناصر فرماتے ہیں:

> ''خود ہمارے ہاں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد بعض اکابر نے جلاوطنی اختیار کر لی تھی اور دوسروں نے جنگ سے کنارہ کش ہو کر تعلیم و تدریس کے میدان کا انتخاب کر لیا تھا۔ اور اس کے بعد سے، تحریک ریشمی رومال کے استثناء کے ساتھ، دیوبندی تحریک نے بالعموم انگریزی حکومت کے ساتھ تصادم کی بجائے پر امن سیاسی جدوجہد کا طریقہ ہی اختیار کیے رکھا۔'' (الشریعہ مئی ۲۰۱۳ء ص ۴۰)

اور مولانا زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں:

''امیر عبدالقادر الجزائری کا یہ کردار دیکھ کر مجھے متحدہ ہندوستان کی تحریک آزادی کے ایک بڑے لیڈر مولانا عبیداللہ سندھیؒ یاد آجاتے ہیں اور مجھے ان دونوں بزرگوں میں مماثلت کے بعض پہلو بہت نمایاں دکھائی دیتے ہیں الخ۔'' (الشریعہ ۲۰۱۳ء ص ۲۵)

حالانکہ اکابر علمائے دیوبند یا حضرت سندھیؒ نے کبھی بھی انگریز کی ذہنی یا جسمانی غلامی قبول نہیں فرمائی، نہ ہی انگریز سے عہدے، دولت، تمغے لوٹنے کو اپنا مقصد زندگی بنایا، نہ ہی انگریز کی ہندوستان پر حکمرانی کو خدا کی مرضی قرار دے کر اس پر راضی برضائے الٰہی ہوجانے کے عمار خانی فلسفے کی تبلیغ کی تھی، انہوں نے فقط جنگ کے انداز کو تبدیل کیا تھا۔افسوس کہ جناب عمار خان ناصر شکست بلکہ غلامی کو قبول کر لینے اور جنگ کی حکمت عملی تبدیل کرنے میں فرق کو بھی نہیں سمجھتے۔

یاد رہے کہ جناب عمار خان ناصر نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ایک خط کا بغیر کوئی حوالہ دیئے ذکر کیا ہے، جس میں انگریزوں کو خدا کی رحمت قرار دیا گیا ہے، قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ خط جعلی ہے، حضرت اقدسؒ اس خط کے ایک دینی ماہنامے میں شائع ہونے کے بعد اس کا مفصل جواب لکھ رہے تھے اور اس کا اعلان بھی ماہنامہ ''حق چار یار'' میں کر دیا گیا تھا، مگر افسوس کہ حضرتؒ کی زندگی نے وفا نہ کی اور اس مضمون کی تکمیل سے پہلے ہی آپؒ سفرِ آخرت کو روانہ ہوگئے۔

جناب عمار خان ناصر نے باقیات فتاویٰ رشیدیہ کے حوالے سے حضرت قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کا ایک فتویٰ بھی نقل کیا ہے۔ باقیات فتاویٰ رشیدیہ حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے ایک طویل عرصے بعد جمع کئے گئے حضرت گنگوہیؒ کے فتاویٰ کے مجموعے کا نام ہے۔ بندہ کو یہ کتاب دستیاب نہیں کہ پیش کردہ اقتباس کا جائزہ لیا جاتا۔تاہم اتنا ضرور عرض کیا جاتا ہے کہ حضرت قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کے مریدین ومتوسلین کا انگریز کے ہندوستان سے نکل جانے تک کفن بردوش ہو کر مسلسل اس کے خلاف معرکۂ حریت برپا کئے رکھنا اور انگریز کو ناکوں چنے چبوا کر بالآخر سے ہندوستان سے نکلنے پر مجبور کر دینا تاریخ کا حصہ ہے، جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا، اور علمائے دیوبند کے اس اجتماعی طرزِ عمل کے خلاف اگر کوئی تحریر وغیرہ پائی جائے تو اسی طرزِ عمل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی کوئی تاویل کی جائے گی۔

وجۂ تصنیف:

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ '' **انما الاعمال بالنیات**''لہٰذا جیسی انسان کی نیت ہوتی ہے ویسا ہی اس کو پھل ملتا ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ ''سچے جہاد کی اس داستان'' کا مقصد امت کے اندر جہاد کا احیاء کرنا ہے یا پھر اسلامی جہادی تحریکوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے اور جاری شدہ جہاد کا ''مداوا'' کرنے

کے لیے یہ سارا سلسلۂ دراز شروع کیا گیا ہے۔ جناب عمار خان ناصر کی اپنی عبارت پڑھیے! لکھتے ہیں:

''ان (امیر عبدالقادر الجزائری) کی داستان حیات اور خاص طور پر ان کے تصورِ جہاد سے پاکستان کی نئی نسل کو بھی آگاہی پہنچانی چاہئے تاکہ ہمارے ہاں شرعی جہاد کا مسخ شدہ اور شرعی اصولوں کے بجائے اخلاقی، تہذیبی اور نفسیاتی زوال کی عکاسی کرنے والا جو تصور پروان چڑھ رہا ہے اس کا کسی حد تک مداوا ہو سکے'' (الشریعہ مئی ۲۰۱۳ء ص ۳۸)

مزید لکھتے ہیں:

''میں نے اپنی گفتگو میں عبدالقادر کے تصورِ جہاد اور اس وقت ہمیں پاکستان اور افغانستان میں جہاد کا جو تصور اور نمونہ دیکھنے کو مل رہا ہے، ان کے مابین تقابل کیا اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ ان میں سے کون سا تصورِ جہاد فقہی و شرعی اصولوں کی درست نمائندگی کرتا ہے۔'' (الشریعہ مارچ ۲۰۱۴ء ص ۲۳)

آگے نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عبدالقادر کے بعض فیصلوں سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن میری رائے میں ان کا تصورِ جہاد بڑی حد تک فقہی و شرعی اصولوں کی نمائندگی کرتا ہے، جبکہ ہم اس وقت جو نقشہ دیکھ رہے ہیں، وہ ان اصولوں کی کسی بھی درجے میں نمائندگی نہیں کرتا۔'' (ایضا)

امام شامل ؒ:

جناب عمار خان ناصر نے امیر عبدالقادر الجزائری کی حمایت کیلئے چیچن مجاہد امام شامل ؒ کا بھی سہارا لیا ہے اور ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کی روش اختیار کرتے ہوئے بے سروپا اور بے حوالہ باتیں درج کر کے چاہا ہے کہ قارئین ان کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ان پر ایمان لے آئیں۔ کسی جگہ تو کائزر امریکی کی کتاب کو ہی ''مصحفِ آسمانی'' سمجھتے ہوئے اسی کا حوالہ دے کر دلِ ناداں کو بہلایا ہے، (الشریعہ جون ۲۰۱۳ء ص ۳۴)، اور کہیں کسی اور کتاب کا لمبا چوڑا غیر متعلقہ حوالہ دے کر اس کے بعد چپکے سے اپنی بات بلا حوالہ لکھ کر قاری کے ساتھ ہیرا پھیری کی سعی فرمائی ہے (الشریعہ اگست ۲۰۱۳ء ص ۲۰)۔ جناب عمار خان ناصر صاحب کی اس دھاندلی پر ان کے ایک شاگردِ رشید نے بھی آواز اٹھائی ہے لیکن (الشریعہ اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۵۵) پر ان کے مکتوب کو شائع کرنے کے باوجود نہ تو جناب عمار خان ناصر صاحب سے اس کا کوئی جواب بن پڑا ہے اور نہ ہی انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ شاید ''مکالمہ'' اور ''ڈائیلاگ'' کا یہی رویہ ہے جس کا پرچم ''الشریعہ'' والے لہرا رہے ہیں۔

کتاب کا درجۂ استناد:

رواں سال جناب عمار خان ناصر صاحب کو جناب امیر عبدالقادر الجزائری کی مدح سرائی کے صلے

میں فرانس کے دورے کا شرفِ عظیم بھی حاصل ہوا جس کی تفصیل انہوں نے ''الشریعہ'' مارچ ۲۰۱۴ء میں اپنے قلم سے لکھی ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔اسی دورے میں انہیں مذکورہ بالا کتاب کے امریکی مصنف جناب جان ڈبلیو کائزر کی زیارت باسعادت کی دولت بھی نصیب ہوئی۔اس سفر کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے عمار خان ناصر لکھتے ہیں:

''ابھی کچھ عرصہ پہلے کائزر کی کتاب کے حوالے سے ہمارے ہاں بعض مذہبی اخبارات میں امیر عبدالقادر کی شخصیت کے متعلق ایک بحث چھیڑی گئی اور امیر کے کردار کے مختلف پہلوؤں پر کئی سوالات اٹھائے گئے۔اردو میں چونکہ الجزائری کی شخصیت کے متعلق کوئی تفصیلی مأ خذ ابھی تک دستیاب نہیں، اس لئے بحث میں سارا حوالہ کائزر کی کتاب ہی کا تھا، میں نے جب اس کتاب پر کام کیا تو میرے ذہن میں بھی بہت سے سوالات آئے تھے، تاہم کائزر سے براہِ راست ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر سوالات ذہن میں ہی رہے، میں نے کتاب کے مندرجات کے حوالے سے اور یہ کہ کائزر نے یہ کیسے مرتب کی، اور کن کن مآخذ سے فائدہ اٹھایا اور خاص طور پر یہ کہ انہیں الجزائری کی شخصیت سے کیسے دلچسپی پیدا ہوئی، کئی سوالات کی فہرست اپنے پاس لکھی ہوئی تھی تاکہ کائزر سے ملاقات کے موقع پر ان سوالات کے حوالے سے ان سے گفتگو کرسکوں'' (ص ۱۴)

گویا کہ جان ڈبلیو کائزر کی کتاب کے ترجمے کی اشاعت کے وقت جناب عمار خان ناصر قطعی طور پر بے خبر تھے کہ کائزر نے یہ کتاب کن مآخذ کے حوالے سے لکھی ہے اور اس کا درجہ تحقیق کیا ہے، اور آیا یہ تاریخی طور پر کوئی معتبر کتاب ہے یا نہیں۔لیکن قارئین کرام حیران ہوں گے کہ اس بے خبری اور لاعلمی کے باوجود جناب عمار خان ناصر صاحب نے کتاب کے تعارف میں پہلے ہی لکھ دیا تھا اور پھر اسے تکرار اور اصرار کے ساتھ دو مرتبہ ''الشریعہ'' میں بھی دہرایا کہ:

''کتاب بحیثیت مجموعی مستند واقعات پر مبنی ہوتے ہوئے کسی حد تک ناول کے انداز میں لکھی گئی ہے'' (الشریعہ مئی ۲۰۱۳ء ص ۲۶۔ جون ۲۰۱۳ء ص ۳۸)

کسی نے سچ کہا ہے کہ: دروغ گو را حافظہ نباشد۔کتاب کو مستند قرار دیتے ہوئے تو یہ پتہ بھی نہیں تھا کہ اس کے مآخذ کیا ہیں اور وہ قابل اعتبار ہیں بھی یا نہیں، سوچا تھا کہ بھلا سرزمین امریکہ کے عزت مآب باشندے جناب کائزر بھی جہاد جیسے مذہبی معاملے میں کوئی غیر مستند بات کر سکتے ہیں؟ کیا ہوا جو ہمیں اس کتاب کے مآخذ کا پتہ نہیں، جب ملاقات ہوگی تب پوچھ لیں گے۔چنانچہ جب ملاقات ہوئی اور یہی سوال پوچھا تو کیا جواب ملا، سنئے اور سر دھنئے!

''میں نے کائزر کے سامنے یہ سوال رکھا اور بعض اہم واقعات جو انہوں نے کتاب میں درج کئے ہیں،

ان کے اصل مأخذ کے متعلق دریافت کیا تا کہ ان سے رجوع کر کے تحقیق کی جاسکے تو کائزر نے کہا کہ میں نے اس کتاب میں محقق کا کام نہیں کیا، یعنی میں نے عبدالقادر کے حالات کی کوئی تاریخی تحقیق نہیں کی۔'' (الشریعہ مارچ ۲۰۱۳ء ص ۲۶)

مزید پڑھئے:

''چنانچہ میں نے (کائزر نے) اس کتاب میں محقق کی ذمہ داری انجام نہیں دی اور نہ بہت زیادہ اصل مآخذ سے رجوع کیا ہے، میرا انحصار ثانوی مآخذ پر رہا ہے'' (ایضا)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''اس تناظر میں، میں نے جب کائزر سے کتاب میں درج بعض بڑے اہم واقعات کے مآخذ سے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے مآخذ تو نوٹ نہیں کئے'' (ایضا)

کتاب کے اردو ترجمہ میں ایک اہم پیراگراف ایسا تھا جو کائزر کی اصل کتاب میں موجود نہیں تھا، جب اس بابت جناب کائزر سے دریافت کیا گیا تو:

''وہ تھوڑی دیر اپنی کتاب کے انگریزی متن اور پھر کتاب کے آخر میں درج تعلیقات کو دیکھتے رہے۔ پھر وہ کچھ کنفیوژ سے ہوگئے اور کہنے لگے کہ مجھے یاد نہیں کہ یہ بات میں نے لکھی ہے، اور یہ کہ اگر یہ نوٹ میرا لکھا ہوا ہے تو انگریزی متن میں کیوں شامل نہیں، یوں اس نکتے پر کائزر کے ساتھ بات واضح ہونے کے بجائے الجھ سی گئی۔ میں نے پوچھا کہ ان تمام باتوں کا تاریخی مأخذ کیا ہے اور یہ تفصیلات کہاں سے مل سکتی ہیں تو کائزر نے کہا کہ یہ چیزیں اب مجھے مستحضر نہیں'' (ایضا ص ۲۸)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح ہوچکی ہے کہ جناب عمار خان ناصر اور جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب نے محض ''حسن ظن'' سے کام لیتے ہوئے اس کتاب کو درجۂ استناد بخشا ہے ورنہ یہ کتاب کتاب نہیں بلکہ صرف جناب جان ڈبلیو کائزر کے تخیلات و افکار کا مجموعہ ہے۔ امریکی سفارت خانوں کی سرپرستی میں انجام دی جانے والی ''علمی تحقیق'' اسی نوعیت کی ہوسکتی ہے۔

وحدت ادیان:

جان ڈبلیو کائزر کی اس کتاب میں بت پرستوں، یہودیوں اور عیسائیوں، سب کو مسلمان اور جنت کا حقدار ماننے اور بتوں کے پجاریوں کو بھی خدا پرست ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور اس نظریے کو امیر عبدالقادر کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب الحاد و کفر کی اس بے لگام تبلیغ کو سر پر سے مکھی اڑانے کے انداز میں یوں ذکر کرتے ہیں کہ:

''امیر عبدالقادر الجزائری کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا پیروکار، ان کے علوم کا شارح، اور ان کے

فلسفہ وحدت وجود کا قائل ہونے کی وجہ سے ان کی فکر کے ڈانڈے "وحدت ادیان" کے تصور سے ملانے کی کوشش کی گئی (جس کی جھلک جان کائزر کی زیرِنظر کتاب میں بھی دکھائی دیتی ہے)"

(الشریعہ مئی ۲۰۱۳ء، ص ۲۶)

یعنی مولانا زاہد الراشدی صاحب کا فرمان ہے کہ وحدت ادیان کے نظریات درحقیقت الجزائری کے نہیں بلکہ یہ کائزر نے ان کی طرف منسوب کیے ہیں، مولانا محترم سے سوال ہے کہ کیا انہوں نے اس کتاب سے پہلے الجزائری کے نظریات پر کوئی اور مستند کتاب پڑھی ہے جو اتنے اعتماد سے کائزر پر نقد کر رہے ہیں؟

مجاہد اسلام شیخ اسامہ بن لادنؒ کی توہین:

امیر عبدالقادر الجزائری پر تنقید کی گئی تو جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب تڑپ اٹھے اور اس کے دفاع میں مضامین اور چیلنج بازی کا سلسلہ شروع کیا جبکہ جناب عمار خان ناصر نے مجاہدین اسلام خصوصاً شیخ اسامہ بن لادنؒ کے خلاف تنقیص وتوہین کا بازار گرم کیا اور انتہائی گھٹیا سطح پر اترتے ہوئے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو "فکری واخلاقی بونے" اور ان کے وجود کو "نامسعود" تک قرار دیا۔ انہیں مسلمان ملکوں میں جنگ کی آگ بھڑکا کر خود بیوی بچوں سمیت "پرفضا پہاڑی مقام پر خفیہ سکونت" کا طعنہ دیا۔ صرف ایک مرتبہ نہیں، مسلسل کئی شماروں میں یہ سلسلہ جاری رکھا، مگر نہ مولانا زاہد الراشدی صاحب کی حمیت دینی یا انسانی اقدار کو جاگ آئی اور نہ حافظ اسامہ مدنی صاحب ہی کو کچھ کہنے کی توفیق ہوئی۔ آخر اس دورخے پن کی وجہ کیا ہے؟ بندگانِ خدا! کیا علمی وتحقیقی اخلاقیات کے تمام حقوق صرف امریکی ایجنٹوں، کفر والحاد کے کارندوں اور نام نہاد روشن خیالوں کے نام رجسٹرڈ ہیں؟ اللہ کے راستے میں بے لوث جہاد کرنے والے مخلص مسلمانوں اور بنیاد پرستوں کو اس کی کوئی رعایت حاصل نہیں؟

الجزائری کی مقبولیت کے بارے میں تضاد بیانی:

جناب عمار خان ناصر لکھتے ہیں:

> "اپنے دور میں امیر عبدالقادر کا سیاسی اثر ورسوخ بھی کافی تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اس دور میں جب اس امکان پر باقاعدہ گفتگو چل رہی تھی کہ شام کا علاقہ سلطنت عثمانیہ سے الگ ہو کر ایک آزاد عرب ریاست کی شکل اختیار کرلے گا تو مختلف سطحوں پر شام کے گورنر کے طور پر امیر عبدالقادر کا نام لیا جانے لگا۔ گویا انہیں ایک ایسی شخصیت تصور کیا جا رہا تھا جن کی قیادت کو شام کے مختلف سیاسی گروہ اپنے داخلی اختلافات سے بالاتر ہو کر قبول کرنے کیلئے تیار ہوسکتے تھے۔"

(الشریعہ مارچ ۲۰۱۴ء، ص ۲۲)

گویا امیر عبدالقادر کو شام کے تمام لوگ پسند کرتے تھے اور اسے شام کا گورنر بنانا چاہتے تھے۔ جبکہ دوسری طرف خود جان ڈبلیو کائزر کی کتاب اس صورت حال کا نقشہ یوں کھینچتی ہے کہ:

''وہ ایسے وقت میں اپنی ذات پر سمجھوتہ کرنے سے ڈرتا ہے جب ترک اس کے خاموش دشمن ہیں جب کہ دمشق کے مسلمان اس سے نفرت کرتے ہیں'' (ص۴۳۷)

جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب اس تضاد بیانی کی کوئی توجیہ کرنا پسند فرمائیں گے؟

مولانا زاہد الراشدی صاحب کا جناب مفتی ابولبابہ صاحب کو چیلنج:

جناب مفتی ابولبابہ صاحب نے جان کائزر کی مذکورہ کتاب کا تحقیقی و تفصیلی آپریشن کیا اور خطرہ محسوس ہونے لگا کہ سچے جہاد کے نام پر انکار جہاد کی یہ نامراد کوشش رسوائی و ناکامی کا نشان بن جائے گی تو مفتی ابولبابہ صاحب کے کسی ایک بھی سوال کا جواب نہ دے سکنے کے باوجود جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب نے ان کو ان الفاظ میں چیلنج کر دیا کہ:

''بہرحال میں سنجیدہ مباحثہ کی پیش کش پر اب بھی قائم ہوں اور غامدی صاحب کے افکار، ناموس رسالت کے قانون، مسجد اقصیٰ کی تولیت، عمار ناصر کی مبینہ انفرادی آراء، اور امیر عبدالقادر الجزائری سمیت ہر اس مسئلے پر کھلے دل کے ساتھ بحث و مباحثہ کیلئے تیار ہوں جس کی نشان دہی مفتی ابولبابہ صاحب فرمائیں گے''۔ (ماہنامہ نصرۃ العلوم ۲۰۱۳، ص۴۴)

اس پر جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب بھی موج میں آ کر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی صاحب (مفتی ابولبابہ صاحب) نے اس تحریر کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اگر ہم اس پر کوئی تبصرہ کر دیں تو محترم مفتی ابولبابہ شاہ صاحب اور چاریاری صاحب سمیت علامہ راشدی صاحب کے دیگر ناقدین کیلئے ہضم کرنا بہت مشکل ہو جائے گا، تحمل اور برداشت کے فقدان کی وجہ سے ہم اسے بلاتبصرہ ہی چھوڑ رہے ہیں۔'' (ایضا)

تبصرہ:

جناب مفتی ابولبابہ صاحب نے ضرب مؤمن اور اسلام میں جو مضامین تحریر کئے تھے اور جو استدلالات پیش کئے تھے ان میں سے ایک بات کا جواب بھی جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب نہیں دے سکے۔ صرف مفتی صاحب کو لعن طعن کرنے، ان پر بداخلاقی کا فتویٰ لگانے اور بے فائدہ چیلنج کرنے کے سستے ہتھیار سے کام چلایا ہے۔ عمار خان صاحب نے صرف دو مضامین کا جواب لکھنے کی کوشش کی ہے جبکہ ۱۰ مئی ۲۰۱۳ء کے ضرب مؤمن میں شائع ہونے والے مدلل اور تفصیلی مضمون اور اسلام اخبار میں شائع ہونے والے مضامین کے جواب سے مکمل خاموشی اختیار کی ہے۔ چکوال سے شائع ہونے والے ادبی پرچے

''تکبیرِ مسلسل'' کے شمارہ نمبر ۹ میں اسی موضوع پر شائع ہونے والا خط اور مجلّہ صفدر گجرات شمارہ نمبر ۲۹ میں شائع ہونے والے مضامین بھی نہ صرف جواب کیلئے ''الشریعۃ'' کا منہ تک رہے ہیں بلکہ اپنے خلاف ہونے والی تنقید کو شائع کرنے کے ''الشریعۃ'' کے دعوے کا منہ بھی چڑا رہے ہیں۔

اگست ۲۰۱۳ء کے ''الشریعۃ'' میں اسلام آباد سے جناب محمد یامین صاحب کے تفصیلی مکتوب کو شائع کرنے کے باوجود نہ ''الشریعۃ'' والوں سے اس کا جواب بن پڑا ہے اور نہ ہی کبھی وہ اس کا صحیح اور مکمل جواب دے سکتے ہیں، اکتوبر ۲۰۱۳ء کے ''الشریعۃ'' میں شائع ہونے والے جناب محمد شفیع صاحب کے خط کے سامنے بھی تا حال ''الشریعۃ'' مکمل طور پر مبہوت نظر آتا ہے۔اس کے باوجود جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کا مفتی ابولبابہ صاحب کو اپنی من پسند شرطیں لگا کر چیلنج کرنا اور جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب کا اس پر للکارے مارنا...... ''مکالماتی وڈائیلاگی'' دنیا میں شاید اسے علم وتحقیق کے نام سے یاد کیا جاتا ہو، عوام الناس کی زبان میں اسے ''ڈھٹائی'' کہتے ہیں۔

جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب اگر ان تمام مضامین میں سے صرف محمد یامین صاحب کے مکتوب کا ہی جواب مولانا زاہد الراشدی صاحب سے لکھوا دیں تو ہم ان کے بے حد مشکور ہوں گے۔

آخری گذارش:

جذبۂ جہاد، شوق شہادت اور دینی غیرت وتصلب اکابرین دیوبند کی وراثت ہے۔اس وراثت سے دیوبند کے فرزندوں کو محروم کرنے کیلئے بزدلی و بے غیرتی، کفار کی غلامی، اور الحاد و بے حیائی پر مشتمل گندگی کے ڈھیر کو ''سچے جہاد کی داستان'' کے نام سے مسلمانان پاکستان میں پھیلانا قابل نفرین حرکت ہے۔ اس حرکت کا پرچم حضرت امام اہل سنتؒ کے گھرانے سے بلند ہونا امام اہل سنتؒ کے فرزندوں کیلئے سخت تکلیف دہ اور ناقابل برداشت ہے۔''الشریعۃ'' کے ارباب بست وکشاد سے درخواست کی جاتی ہے کہ ازراہِ کرم آئندہ ہیچوں قسم مضامین اور کتابوں کی اشاعت کے ذریعے مسلمانان پاکستان کے دلوں کو ٹھیس پہنچانے اور کفار اور ان کے ایجنٹوں کے ہاتھ مضبوط کرنے سے گریز کریں۔ (جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

اعلان

مجلّہ صفدر شمارہ: ۴۰، ص: ۵۵ ''تنبیہ'' کے بعد صحیح عبارت اس طرح ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی علت گرمی کی شدت بیان فرمائی ہے۔''

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

زبیر علی زئی کا تعاقب

......قسط:۱۹......

آل دیو بند کے نزدیک زبانِ[۱۲۷] حال اور اُن کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ''تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ[۱۲۸] اور دیو بندی مفتی بہا مسائل کی تقلید کرنا، چاہے یہ مسائل قرآن وحدیث[۱۲۹] کے خلاف اور غیر ثابت[۱۳۰] بھی ہوں۔ مفتی بہ قول کے مقابلے میں کتاب وسنت وا[۱۳۱] جماع کو رد کر دینا۔''

مثلاً محمود حسن[۱۳۲] دیو بندی نے کہا:

حق وانصاف یہ[۱۳۳] ہے کہ اس مسئلے میں (امام) شافعی کو ترجیح حاصل ہے اور ہم مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔ واللہ اعلم

(تقریر ترمذی ص ۳۶، دوسرا نسخہ ص ۳۹، نیز دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۲۴) یہی وہ تقلید ہے جس پر اہلِ حدیث اور آلِ دیو بند کے درمیان بنیادی[۱۳۴] اختلاف ہے۔

۱۲۷ ''زبان حال اوران کے عمل'' الفاظ سے تعبیر کیوں کی ہے؟ اس کی حقیقت تو اللہ کو معلوم ہے، جہاں تک ہم سمجھے ہیں وہ یہ کہ جو کچھ علی زئی صاحب علمائے دیو بند کی طرف منسوب کر رہے ہیں وہ تحریر کی دنیا میں نہ صرف غلط ہے بلکہ اس کے برعکس یوں لکھا ہوا ہے کہ قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف تقلید جائز نہیں ہے جیسا کہ آگے حاشیہ نمبر ۱۲۹ میں آرہا ہے۔

لہٰذا علی زئی صاحب نے اسی میں عافیت محسوس کی کہ بات کو ''زبان حال وعمل'' سے تعبیر کر کے مطلب نکال لیا جائے۔ مگر یاد رہے کہ قال کے ہوتے ہوئے مخالف کا بیان کردہ مزعوم ''حال'' کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

۱۲۸ علی زئی صاحب دیو بندیوں کے متعلق تو لکھ رہے ہیں کہ وہ امام ابوحنیفہ اور فقہ حنفی کی تقلید کرتے ہیں مگر یہ نہیں بتایا کہ یہی تقلید ان کے نام نہاد اہلحدیث بھی کرتے ہیں۔ محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''ہم لوگ جو اس گروہ سے علم کی طرف منسوب ہیں منصوصات میں قرآن وحدیث کے پیرو ہیں اور جہاں نص نہ ملے وہاں صحابہ، تابعین وائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں خصوصاً ائمہ مذہب حنفی کی جن کے اصول فروع کی کتب ہم لوگوں کے مطالعہ میں رہتی ہیں''۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۲۹۰)

مزید تفصیل کے لیے بندہ کا رسالہ ''غیر مقلد ہو کر تقلید کیوں؟'' ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۲۹ علی زئی صاحب کہہ رہے ہیں کہ دیوبندیوں کے نزدیک قرآن وحدیث کے خلاف تقلید جائز ہے۔جبکہ حقیقت یہ ہے ایسی تقلید کی علمائے دیوبند نے اپنی کتابوں میں تردید کر رکھی ہے اور وہ تردید علی زئی وغیرہ آل غیر مقلدیت اپنی کتابوں میں نقل کر چکے ہیں۔چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اگر حق کی مخالفت کے لیے کسی کی تقلید کرے تو یہ مذموم ہے جیسا کہ کفار ومشرکین خدا اور رسولؐ کی مخالفت کے لیے اپنے گمراہ وڈیروں کی تقلید کرتے تھے''(دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۵۳)

☆......علی زئی صاحب نے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی ایک طویل عبارت کی نقل کی جس کا خلاصہ یہی ہے کہ قرآن وحدیث کے خلاف تقلید جائز نہیں۔(دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۶۴)

☆......علی زئی صاحب کے پرچہ ماہنامہ ''الحدیث'' میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی کتاب ''الکلام المفید صفحہ ۲۳۵'' سے نقل کیا گیا ہے کہ۔''اور نہ ہی نصوص قرآن کریم اور صریح وصحیح احادیث اور اجماع مت کے خلاف مسائل میں تقلید جائز ہے''(مقالات الحدیث صفحہ ۱۰۳)

☆......داؤد ارشد صاحب غیر مقلد، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی عبارت نقل کرتے ہیں کہ:

''کوئی بدبخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم بھی کہتے ہیں لاشک فیہ۔''(الکلام المفید ص ۳۱۰)مزید صفحہ ۲۹۸ میں دیکھئے۔''(تحفہ حنفیہ صفحہ ۱۶۸)

غیر مقلدین کی کتب میں علمائے دیوبند کی ان جیسی بہت سی عبارات ہیں جن میں واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا کہ قرآن وحدیث کے خلاف تقلید جائز نہیں۔علی زئی صاحب!ان صریح عبارتوں کی موجودگی میں آپ کے بیان کردہ مزعومہ ''زبان حال'' کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

۱۳۰ علی زئی صاحب ایک طرف بغیر حوالہ دیئے دیوبندیوں کو غیر ثابت اقوال ماننے والا کہتے ہیں دوسری طرف یہ بتانے کی زحمت گوارہ نہیں کی خود ان کے اپنے غیر مقلد، غیر ثابت باتوں پر عمل پیرا ہیں مثلاً چوتھے دن قربانی کرنا،مرغ اور انڈے کی قربانی کا قائل ہونا، چوتھے دن قربانی کو باعث کہنا وغیرہ مزید دیکھیے حاشیہ نمبر ۱۲۵۔

۱۳۱ کتاب وسنت واجماع کو رد کر کے کسی کی پیروی کرنا تو تقلید مذموم کہلائے گا،تقلید مذموم کی علمائے دیوبند نے تردید کر دی ہے جس کی گواہیاں خود غیر مقلدین کی کتب میں موجود ہیں لیکن اس کے برعکس نام نہاد اہلحدیث تقلید مذموم کی دلدل میں لتھڑے ہوئے ہیں۔علی زئی صاحب کے استاذ محترم جناب محبّ اللہ شاہ راشدی صاحب غیر مقلدین کے متنازعہ مسئلہ ''قومہ میں ہاتھ باندھنا یا چھوڑنا'' پر بحث کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

''لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ اب صرف دو پارٹیوں کا ایک امتیازی خاصہ اور ان کے کاروبار کا ٹریڈ مارک بن گیا ہے۔ لہٰذا جو آدمی کسی ایک پارٹی کے ساتھ منسلک ہے وہ اسی طرح ہی کرتا رہتا ہے۔ اگر چہ حقیقت میں اس کو اتنا علم و فہم بھی نہ ہو کہ وہ حسن امتیاز کر لیتا کہ یہ بات حق ہے محض اس بناء پر کہ ان کا اس پارٹی کے سربراہ کے ساتھ گہرا قلبی تعلق ہے اور آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید کر لیتے ہیں اور دوسری طرف یا دوسرے فریق کے موقف کو سننے یا ان کی تحریروں کو مکمل طور پر پڑھنے سے بھی گریز کرتے ہیں بلکہ مقابل فریق کی تحریروں کو شجرہ ممنوعہ تصور کر لیتے ہیں اور اس بات پر یقین کر لیتے ہیں کہ بس حق وہی ہے جو فلاں کرتا ہے یا جس پر فلاں عامل ہے اس کے سوا حق اصل ہے ہی نہیں... ان مقلدوں کا یہ حال ہے کہ وہ پوری کتاب دیکھتے بھی نہیں بس عوام کالانعام تو بکریوں کے ریوڑ کی طرح اپنے پیشوا کے پیچھے آمنا و صدقنا کہتے ہوئے اس کتاب کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے'' (مقالات راشدیہ جلد ا صفحہ ۸۰)

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''اگر مجھے رکن و مقام کے درمیان کھڑا کر کے قسم دی جائے تو یہی کہوں گا کہ میں نے شیخنا محبّ اللہ شاہ سے زیادہ نیک، زاہد اور افضل اور شیخ بدیع الدین شاہ سے زیادہ عالم و فقیہ انسان کوئی نہیں دیکھا''

(علمی مقالات جلد ا صفحہ ۵۰۵)

علی زئی صاحب کے ہاں سب سے زیادہ نیک، زاہد اور افضل بزرگ اپنے اہلحدیثوں کے متعلق گواہی دے رہے ہیں کہ وہ اپنے مولویوں کی بات مثلِ وحی خیال کر کے اندھا دھند تقلید کرتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ دلائل سے آنکھیں بند کر کے اپنے پیشوا کی باتوں کو مثل وحی قرار دے کر ماننا تقلید محمود ہے یا مذموم؟ مزید دیکھئے ہماری اسی کتاب کا حاشیہ نمبر ۴۵

۱۳۲ علی زئی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ دیوبندی قرآن و حدیث اور اجماع کے خلاف تقلید کرتے ہیں۔ اپنے اس دعویٰ پر بزعم خود انہیں وزنی دلیل حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ عبارت ملی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس عبارت کو بطور دلیل پیش کرنا کئی وجوہ سے غلط ہے۔ بندہ نے غیر مقلدین کے ''محدث العصر'' عبداللہ روپڑی صاحب کی کتاب توحید الرحمٰن صفحہ ۱۳۸ سے نقل کیا تھا کہ مسئلہ امکان کذب باری تعالیٰ کئی وجوہ سے راجح ہے۔

علی زئی صاحب نے اس کا جواب لکھا:

''یہ کتاب (توحید الرحمٰن) حافظ عبداللہ روپڑی کی وفات (۱۹۶۴ء) کے بہت بعد سن ۲۰۱۱ء میں

پہلی دفعہ چھپی اور روپڑی صاحب کو اس کی تصویب (تصحیح) وتسوید کا موقع نہ مل سکا۔ (دیکھئے توحید الرحمٰن ص ۱) لہٰذا روپڑی صاحب اس کتاب کے ذمہ دار نہیں۔۲: یہ عبارت شاذ ہے۔۳۔ یہ عبارت غیر مفتی بھا ہے۔''

(ماہنامہ ضربِ حق سرگودھا شمارہ نمبر ۲۵ صفحہ ۲۰)

روپڑی صاحب نے کتاب لکھی مگر نظر ثانی نہ کر سکنے کی وجہ سے علی زئی صاحب نے کہا کہ وہ اس کتاب کے ذمہ دار نہیں، دوسری طرف علی زئی صاحب اس کتاب ''تقریر ترمذی'' کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں جسے انہوں نے نہ لکھا اور نہ ہی نظر ثانی کی۔ یہ ہے علی زئی صاحب کا انصاف! اگر روپڑی صاحب نظر ثانی نہ کر سکنے کی وجہ سے کتاب کے ذمہ دار نہیں تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ بطریق اولیٰ اس کتاب ''تقریر ترمذی'' کے ذمہ دار نہیں۔ کیونکہ روپڑی صاحب نے لکھا تو ہے اگر چہ نظرِ ثانی نہیں کی مگر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے نہ لکھا اور نہ ہی نظر ثانی کی بلکہ ان کی تقریر کے طور پر یہ کتاب ان کی طرف منسوب ہے۔

۲۔عبارت کا علی زئی صاحب نے تیسرا جواب دیا کہ یہ عبارت غیر مفتی بہا ہے...... ہم کہتے ہیں اگر تقریر ترمذی کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کتاب فرض کر لیں تو ان کی یہ عبارت ''غیر مفتی بہا'' ہے۔علمائے روپڑی صاحب کے دفاع میں دوسرا جواب علی زئی صاحب نے دیا کہ روپڑی صاحب کی عبارت شاذ ہے...... ہم بھی کہتے ہیں: اگر تقریر ترمذی کو بالفرض حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی کتاب مان لیا جائے تو یہ عبارت شاذ ہے کیونکہ خود انہوں نے اس عبارت کے برعکس یوں لکھا ہے۔ ''خدا اور رسول کے مقابلہ میں خواہ کوئی ایک کی تقلید کرے یا ہزار کی، اس کے بطلان میں کس کو کلام ہے'' (ایضاح الادلہ ص ۱۰۷)

۳۔روپڑی صاحب کی عبارد دیوبند نے نہ صرف یہ کہ اس پر فتویٰ نہیں دیا بلکہ کئی طرح سے اس کا جواب دیا ہے، دیکھئے: تجلیات صفدر جلد ۶ ص ۱۰۷ طبع ملتان۔ الکلام المفید ص ۲۸۱۔ انکشاف حقیقت صفحہ ۳۵، قارن۔ یہ تینوں جواب علی زئی تناظر اور اس کی پسند کے مطابق جواب تھے۔ اب کچھ مزید بھی ہم عرض کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ مستند عالمِ دین تھے بہت سے آل غیر مقلدیت نے انہیں خرج عقیدت پیش کیا ہے، دیکھیئے حاشیہ نمبر ۳۹۔ مزید حوالہ جات کے لیے ہمارا مضمون ''غیر مقلدین کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین'' شائع شدہ مجلّہ **الفتحیہ** احمد پور شرقیہ دیکھا جاسکتا ہے۔ حضرت کا ذِکرِ خیر شمارہ نمبر ۲-۳ میں ہے۔

خراجِ عقیدت پیش کرنے والوں میں غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری صاحب بھی ہیں وہ لکھتے ہیں:

''یہاں چونکہ مولانا محمود الحسن صاحبؒ کا ذکر آ گیا۔اس لیے میں ممدوح کی شخصیت کے متعلق چند فقرے عرض کر دوں تو بے جا نہ ہوگا۔موصوف بڑے پایہ کے عالم تھے ہر فن کی تعلیم دیتے تھے مگر حدیث کے ساتھ آپ کو خاص اُنس تھا میرا چشم دید واقعہ بلکہ روزانہ کے واقعات ہیں کہ آپ جس چوکی پر حدیث کی کتاب رکھ کر پڑھاتے تھے منطق اور فلسفہ کی کتابیں اس پر نہیں رکھتے تھے بلکہ نیچے رکھتے تھے یہ واقعہ میں اپنی ساری مدتِ تعلیم میں دیکھتا رہا بحق حدیث آپ کے حُسن عقیدہ کا اظہار ان اشعار میں کروں تو بجا ہے آپ بازبانِ حال سے فرماتے تھے ۔

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے ؟ دُر دانہ درجِ مصطفیٰ ہے
صوفی و عالم و حکیم دینی کرتے رہے اسی کی خوشہ چینی
بابا کے ہاں سے کون لایا جس نے پایا یہیں سے پایا

(فتاوی ثنائیہ جلد ا صفحہ ۴۷)

جو بزرگ حدیث کا اس قدر شیدائی ہو کیا اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث کے خلاف امام کی تقلید واجب ہے؟

یہاں ایک اور چیز بھی منکشف ہو رہی ہے۔علی زئی صاحب نے کہا: دیوبندی زبان حال سے حدیث کی مخالفت کرتے ہیں پھر بطور مثال حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا نام پیش کیا ہے جبکہ ان کے دادا استاذ ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں کہ '' آپ گویا زبان حال سے فرماتے تھے ۔

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے؟ در دانہ درج مصطفیٰ ہے

۵۔علی زئی لکھتے ہیں: ''ان دونوں (دارقطنی وخطیب) کے اقوال میں متقدم واوثق ہونے کی وجہ سے دارقطنی کے قول کو ہی ترجیح حاصل ہے'' (الحدیث شمارہ نمبر ۷ صفحہ ۱۹)

علی زئی صاحب، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو مخالف حدیث قرار دے رہے ہیں جبکہ ان سے متقدم اور موجودہ غیر مقلدین کے نزدیک اوثق امرتسری صاحب انہیں حدیث کا شیدائی کہہ رہے ہیں تو علی زئی اصول کے مطابق امرتسری صاحب ہی کی بات کو ترجیح ہونی چاہیے۔

۶۔علی زئی صاحب نے دعویٰ کیا کہ دیوبندی قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف امام کی تقلید کرتے ہیں پھر بزعم خود اس پر ثبوت کے لیے تقریر ترمذی کا حوالہ پیش کیا۔ہم علی سبیل التنزل پوچھتے ہیں کہ تقریر ترمذی میں مذکور ''حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلے میں (امام) شافعی کو ترجیح حاصل ہے'' یہ قرآن، حدیث اور اجماع ہے کہ اس کے جواب میں یوں ''ہم مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام کی تقلید واجب ہے'' کہنا قرآن وحدیث اور اجماع کی مخالفت کہلائے؟

۷۔ قطع نظر اس سے کہ تقریر ترمذی کس کی کتاب ہے۔ اس میں موجود عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

"والحدیث لیس بمصرح للترجیح بل المرجح القیاس فنحن لا نرتکب خلاف الحدیث بل نخالف قیاس الشافعی و قیاسہ لیس بحجةٍ علینا". اور ترجیح کی صراحت حدیث نہیں کرتی بلکہ ترجیح دینے والا قیاس ہے۔ پس ہم حدیث کی مخالفت کے مرتکب نہیں ہو رہے بلکہ ہم تو شافعی کے قیاس کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کا قیاس ہم پر حجت نہیں'' (تقریر ترمذی صفحہ ۳۵) تقریر ترمذی والے کہہ رہے ہیں کہ ہم امام شافعی کے قیاس کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں۔ جبکہ علی زئی صاحب نے یہ تاثر دیا ہے کہ انہوں نے قرآن و حدیث اور اجماع کے خلاف امام کی تقلید کو واجب کہا ہے۔

۸۔ زبیر علی زئی صاحب کے ''شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام'' محمد گوندلوی صاحب۔ (فاتحہ خلف الامام صفحہ ۱۱) لکھتے ہیں:

''جس تقلید کی اہلحدیث مذمت کرتے ہیں اور اس کو حرام کہتے ہیں۔ ان کے ادلہ کو اگر دیکھا جائے تو ایسی تقلید کی حرمت و مذمت کا محققین حنفیہ بھی اقرار کرتے ہیں۔ اور جس تقلید کو حنفیہ واجب کہتے ہیں اس کے ادلہ کو اگر دیکھا جائے تو ایسی تقلید سے اہلحدیث کو بھی مفر نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دین میں تین قسم کی تقلید حرام ہے......قرآن و سنت سے اعراض اور جدی طریق پر جمود۔ [۲] ایسے شخص کی تقلید کرنا جو قابل اتباع نہیں۔ [۳] قیام و حجت کے بعد بھی سابق طریق پر اڑے رہنا۔

تقلید کے جواز یا وجوب کی صورت:

جب مکلّف خود مسئلہ کی تحقیق نہ کر سکے اور اس کو تفصیل معلوم نہ ہو تو اس صورت میں بعض دفعہ تقلید جائز اور بعض دفعہ واجب ہو جاتی ہے...اب تقلید کی حرمت و مذمت کی تمام ادلہ کو پہلی تین قسموں پر محمول کرنا چاہیے اور جواز کی ادلہ کو پچھلی دو قسموں پر'' (الاصلاح صفحہ ۱۵۸)

اس عبارت کو پڑھیے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ احناف کون سی تقلید کے قائل ہیں علی زئی صاحب کس تقلید کو ان کے گلے مڑھ رہے ہیں۔ گوندلوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حنفیہ جس تقلید کو واجب کہتے ہیں اسی کے اہلحدیث بھی قائل ہیں۔ جو غیر مقلدین احناف کو قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف امام کی تقلید کرنے والا کہتے ہیں تو انہیں اپنے حجۃ الاسلام، شیخ الاسلام گوندلوی کے قول کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ اہلحدیث قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف بزرگوں کی تقلید کرتے ہیں۔

۹۔ علی زئی صاحب دیوبندیوں کو قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف تقلید کرنے والا کہتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی تقلید ان کے نام نہاد اہلحدیث کرتے ہیں جیسا کہ حاشیہ نمبر ۴۵ وغیرہ میں ان کی

مختلف کتابوں سے اعترافی عبارتیں نقل کر چکے ہیں۔

۱۰۔اہلِ حق،قرآن،حدیث اور اجماع کے خلاف تقلید اختیار کرنے کے قائل نہیں اور غیر مقلدین کے مستند علماء نے دیوبندیوں کو''اہل حق''تسلیم کیا ہے۔حوالہ جات ہمارے ذمہ ہیں کسی بھی وقت ہم سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔لہٰذا دیوبندیوں کو قرآن،حدیث اور اجماع کے خلاف تقلید کی راہ پہ چلنے والا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۱۳۳ یہ عبارت نقل کر کے علی زئی صاحب یہ تاثر دے رہے ہیں کہ دیوبندی حق کو حق مان کر بھی اعراض کرتے ہیں۔اس کا جواب اوپر تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے۔تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنا چاہیے کہ آلِ غیر مقلدیت بہت سے حق اور راجح مسائل کا انکار کرتے ہیں ہمارے پاس ایسے مسائل کی ایک طویل فہرست ہے جسے ہم کسی اور موقع پر منظرِ عام پہ لائیں گے البتہ بطور نمونہ ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب،قاضی شوکانی غیر مقلد کے حوالہ سے لکھتے ہیں:'' غاية ما يلزم من ذلك ان يكون ما اجمعوا عليه حقا ولا يلزم من كون الشيء حقا وجوب اتباعه ۔ زیادہ سے زیادہ ان دلائل سے یہ لازم آتا ہے کہ اجماع حق ہے(ہم اگر اجماع کے منکر ہیں تو کیا خرابی ہے؟)چیز کے حق ہونے سے اُس کی اتباع تو واجب نہیں ہو جاتی''(الجنۃ ص ۱۰ بحوالہ الکلام المفید ص ۲۸۴)

۱۳۴ علی زئی صاحب اس جگہ تقلید کو بنیادی اختلاف کہہ رہے ہیں جبکہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''لوگو!اہل حدیث کا دیوبندیوں کے ساتھ اصل اختلاف تقلید،فاتحہ خلف الامام،رفع الیدین،آمین بالجہر،سینے پر ہاتھ باندھنا اور قیام اللیل(تراویح)پر نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف اصل اختلاف عقائد و اصول میں ہے۔''(الحدیث شمارہ نمبر ۲۳ صفحہ ۴۲)

۲۔علی زئی صاحب کے شیخ الاسلام،حجۃ الاسلام محمد گوندلوی صاحب الاصلاح صفحہ ۱۵۸ میں کہتے ہیں کہ حنفیہ اور اہلحدیث میں مسئلہ تقلید میں کوئی اختلاف نہیں یعنی دونوں فریق تقلید کو مانتے ہیں جیسا کہ اوپر حاشیہ نمبر ۱۳۲ میں مذکور ہوا۔

علی زئی صاحب کے شیخ الاسلام،حجۃ الاسلام کی تصریح کے مطابق جب اہلحدیث تقلید کے قائل ہیں تو اختلاف بنیادی تو کجا سرے سے اختلاف ہی نہ رہا۔ہم غیر مقلدین کے شیخ الاسلام،حجۃ الاسلام کی مانیں یا عام غیر مقلد علی زئی صاحب کی؟

۳۔علی زئی صاحب کی عبارت کو کسی حد تک درست قرار دینے کے لیے ہم یوں تاویل کر سکتے ہیں کہ آلِ غیر مقلدیت کے اعتراف کے مطابق اہلحدیث مذموم تقلید کرتے ہیں دیکھئے حاشیہ نمبر ۴۵۔جبکہ دیوبندی محمود تقلید کو مانتے ہیں۔نام نہاد اہل حدیث اور دیوبندیوں میں یہی چیز اختلافی ہے۔(جاری۔۔۔) ☆☆

احسن خدامی

''فغانِ اختر'' کا ''شیخ العرب والعجم نمبر''

عارف باللہ، ثانیٔ مولانا رومؒ، سراج السالکین حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام نامی سے تب سے آگاہی ہے جب بندہ اپنے جدامجد اور مرشدِ اول حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حصول علم اور ان کی خدمت کی خاطر مقیم تھا۔ حضرتِؒ والا کا ماہنامہ رسالہ ''الابرار'' وہاں گکھڑ میں باقاعدگی سے آیا کرتا تھا اور اسی ماہنامہ کا مطالعہ بندہ کی زندگی میں پہلی مرتبہ ایک بے چینی اور آشفتگی کا باعث بنا، گناہوں سے بچنے، خاص کر بدنظری کے گناہ، جس کے خلاف حضرتؒ والا نے گویا اعلان جنگ کر رکھا تھا، اس سے دور رہنے کا احساس پیدا ہوا اور اسی بے چینی اور آشفتگی کے نتیجے میں اپنے جدامجد حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ گویا ماہنامہ ''الاختر'' اور حضرتؒ والا کی ذات کو اللہ جل شانہ نے بندہ کی لڑکپن کی لااُبالی زندگی میں محبوب حقیقی کی جستجو اور تڑپ کا ایک وسیلہ بنایا۔ بہت عرصے بعد ایک مرتبہ حضرت اقدسؒ کی خانقاہ، کراچی میں آپ کی چند لمحے کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔

حضرتؒ والا کے انتقال پر ملال کے بعد آپؒ کے متعلقین نے آپؒ کی یاد میں ایک خصوصی نمبر شائع کرنے کا شرف حاصل کیا جو ظاہری و باطنی خوبیوں، مضامین کی ندرت، سلیقہ مندی، مضامین نگاروں کے دردِ دل کی غمازی، اور طباعت و اشاعت کی تمام تر خوبیوں سے پوری طرح مزین ہونے کی بناء پر اس شعر کا مصداق ہے کہ:

بہارِ عالمِ حسنش جہاں را تازہ می دارد
برنگ اصحاب صورت را، بو ارباب معنی را

پونے نو سو صفحات پر مشتمل اس خاص نمبر کا صفحہ صفحہ اور سطر سطر ایسی جاذب نظر ہے کہ قاری دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر خود کو حضرت والا کی مجلس اور محفل میں پاتا ہے۔ وہی باتیں، وہی یادیں، وہی تبسم، وہی انداز اصلاح، وہی تڑپ، وہی شیفتگی و دلربائی، چند ساعات کیلئے حضرت کی زیارت و دیدار سے محروم انسان بھی گویا حضرت کی مجلس سے بہرہ ور ہو جاتا ہے، اور دنیائے خیال میں حضرتؒ کی بہت سی ہمنشینی کے مزے لے لیتا ہے۔ حضرت والاؒ اور اس کتاب کے تعلق کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ:

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
آنکہ دیدن میل دارد، در سخن بیند مرا

رنگارنگ پھولوں کے اس گلستان سے کچھ کلیوں کا انتخاب کرنا بھی آسان نہیں، ہر کلی کا اپنا رنگ اور ہر پھول کی اپنی خوشبو......! تاہم ''مجلّہ صفدر'' کے قارئین کے لیے حسبِ روایت چند اقتباسات پیش کر کے انہیں بھی ہم اس محفل میں اپنے ساتھ شریک کر لیتے ہیں۔

حضرتِ والاؒ کی شانِ استغناء کے بہت سے واقعات مختلف حضرات نے بیان کئے ہیں، معروف شاعر اور حضرتِ والا کے خلیفۂ مجاز جناب شاہین اقبال اثر (جونپوری) ایسا ہی ایک واقعہ سناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''ایک صاحب جو اپنی رقم اللہ کی راہ میں لگانا چاہتے تھے، کسی حوالے سے اس زمانے میں ''مسجد اشرف'' آئے جب مسجد تعمیر ہو رہی تھی، انہوں نے دورانِ گفتگو معترضانہ انداز میں کہا کہ: ''یہ ٹائل آپ نے اتنے اوپر کیوں لگائے ہیں؟ یہ تو بس نیچے نیچے کافی تھے''۔ حضرت نے بے ساختہ فرمایا کہ: ''میں نے آپ سے مشورہ مانگا ہے؟ افسوس ہے کہ آپ نے اپنا مشورہ ضائع کیا۔'' پھر انہوں نے لاکھ کوشش کی کہ حضرت ان کا چندہ قبول فرما لیں مگر حضرتؒ نے کسی طرح قبول نہ کیا کہ جو پہلے ہی اعتراض کر رہا ہے وہ بعد میں نہ جانے کیا کیا کرے گا۔''

شاہین اقبال اثر صاحب ہی لکھتے ہیں:

> ''شاید ہی کوئی بیان ایسا ہو جس میں حضرت اقدسؒ نے داڑھی ایک مشت رکھنے اور مونچھیں برابر کرنے کی تلقین درد بھرے انداز میں نہ فرمائی ہو، حضرت والاؒ نے اکثر یہ فرمایا کہ ''ہم سب اور ساری امت سرورِ عالم ﷺ کی اس امید پر زندہ ہیں کہ روزِ محشر آپ ﷺ ہماری شفاعت فرمائیں گے مگر ہمارا چہرہ ہی اگر سرورِ عالم ﷺ کے مشابہ نہ ہوا اور آقائے دو جہاں ﷺ نے ہمیں دیکھ کر منہ پھیر لیا اور دریافت فرما لیا کہ ''میرے پیارے امتی! تمہیں میری صورت میں کیا عیب نظر آیا کہ تم نے میرے جیسی صورت نہیں بنائی؟'' تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ صرف اسی ایک جملے کو سن کر نہ جانے کتنی زندگیوں میں انقلاب آ گیا۔''

اثر صاحب ہی لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت والاؒ بعض اوقات انگریزی زبان استعمال کر کے انگریزی دانوں کی دلجوئی فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جس پرندے کو سدھانا ہو، اس کی زبان سیکھنی پڑتی ہے، اس لئے جب میں مسٹروں سے مخاطب ہوتا ہوں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ وظیفہ ''آفٹر فجر'' اور ''آفٹر مغرب'' پڑھنا ہے، جب مسٹروں کو ''ٹر'' مل جاتی ہیں تو کہتے ہیں ''او کے!''۔

رسول اللہ ﷺ بھی اپنے حبشی صحابہ کرامؓ کی دلداری کے لیے کبھی کبھار حبشی زبان کا کوئی جملہ بولا کرتے تھے۔

حضرتِ والاؒ کے خادمِ خاص بلکہ عاشقِ خاص اور خلیفۂ مجاز جناب سید عشرت جمیل صاحب مدظلہ کا

مضمون عجیب شان کا ہے، جس شخص نے ساری زندگی حقیقتاً شیخ پر فدا کردی ہو، شیخ کی خاطر شادی بھی نہ کی ہو کہ شیخ کی خدمت میں کوتاہی نہ ہو جائے، اور ۴۶/سال مسلسل لحہ لحہ، لحظہ لحظہ شیخ کی ذات پر پروانہ وار فدا کردیا ہو، اگر اس کا مضمون بھی عجیب شان کا نہ ہوگا تو پھر اور کس کا ہوگا؟ ایک اقتباس آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

''میرے محبوب مرشد مادر زاد ولی تھے، حضرت نے مجھے خود سنایا کہ جب میں گود میں تھا تو میری بڑی ہمشیرہ جو اس وقت بچی تھیں، مجھے گود میں اٹھا کر مسجد میں امام صاحب سے دم کرانے لے گئیں، تو مسجد کو دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا کہ یہ میرے اللہ کا گھر ہے۔ اور انہوں نے مجھے زمین پر بٹھا دیا تو مجھے یاد ہے کہ میں نے زمین کو بوسہ دیا، اور جب امام صاحب دم کرنے تشریف لائے تو ان کی داڑھی اور لمبا کرتہ اور گول ٹوپی دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی، بعد میں جب ذرا بڑا ہوا تو پتہ چلا کہ مسجد کے امام حافظ ابوالبرکات صاحب تھے جو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔''

حضرت والا کے ایک مرید نے مکتبہ کھولا تو حضرتؒ نے ان سے ارشاد فرمایا:

''دیکھو! کوئی کتاب غیر معتبر یہاں سے نہ بکنی چاہیے، ہر کتاب معتبر علمائے کرام کی منگاؤ۔ ورنہ جتنے لوگ غلط کتابیں یہاں سے لے جا کر پڑھیں گے اور بھٹکیں گے ان سب کا گناہ اٹھانا پڑے گا''

جناب اثر جونپوری صاحب نے شیخ و مرید کی مثالی محبت کو اپنے ان اشعار کی صورت میں ڈھالا ہے:

لگتا ہے جا کے تیر محبت کا قلب میں
میں کیا بتاؤں تیرا نشانہ عجیب ہے
پروانوں کے ہجوم پہ حیرت نہیں مجھے
شمع کا خود کو روز جلانا عجیب ہے
مطلوب کے لیے تو چھڑکتے ہیں جاں سبھی
طالب کے لیے دل کا بچھانا عجیب ہے

دعا ہے کہ اللہ جل شانہ حضرت والا کے فیض کو قیامت تک قائم و دائم رکھیں اور اس کتاب کی اشاعت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطاء فرمائیں۔ آمین

☆☆☆☆